قیمت چار روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ
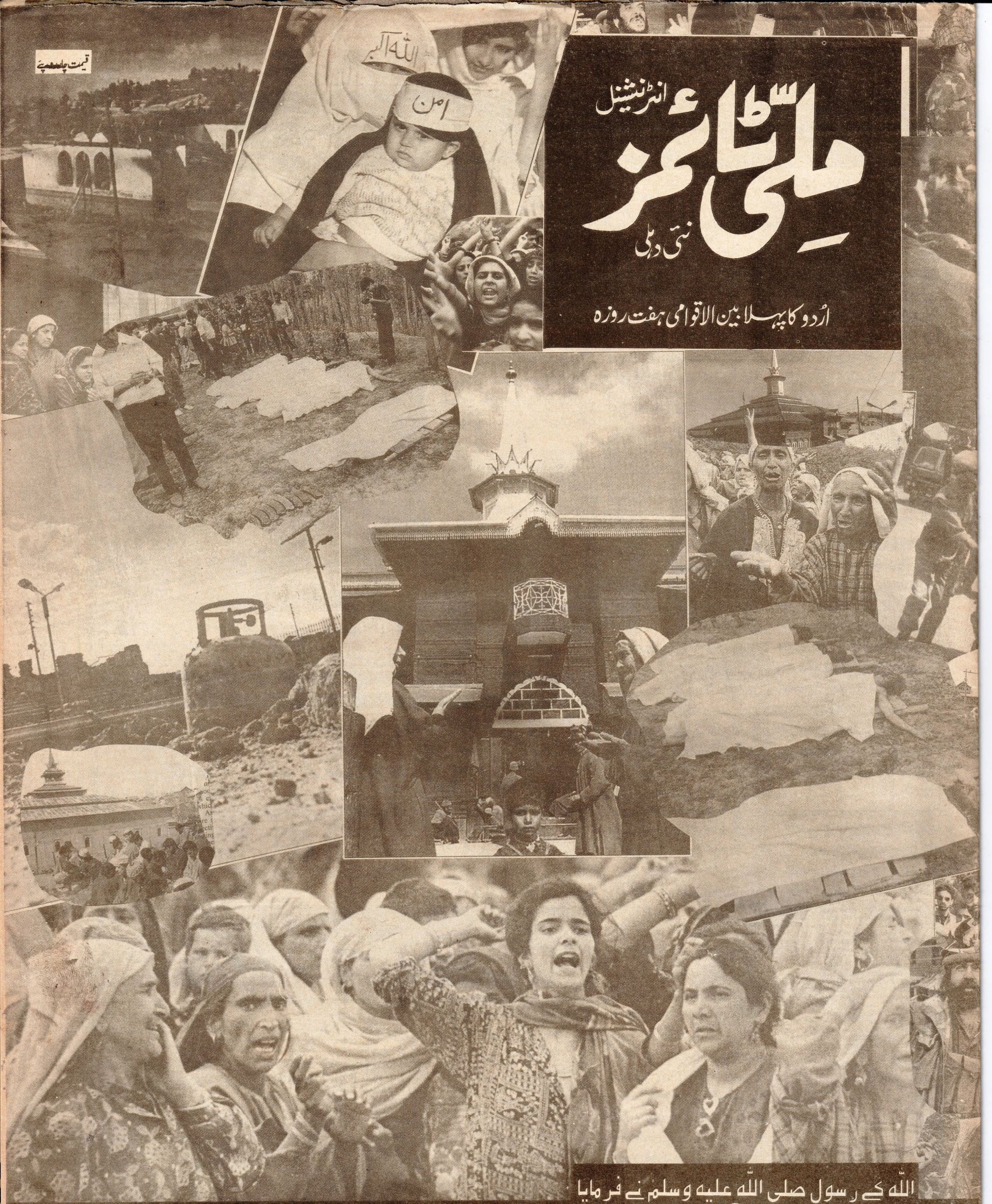
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے مسلمانوں کے مسائل سے خود کو متعلق محسوس نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRILANKA	Rs-
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONGKONG	HK$ 15.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

مسلمان کمزور ہوں گے تو ہندوستان مضبوط نہیں ہو سکتا

میں بال ٹھاکرے کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کرتا ہوں......ملائم سنگھ یادو

اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو گذشتہ دنوں برطانیہ کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے منتخب مسلم نمائندوں سے گفتگو کی اور صنعت کاروں کو اتر پردیش میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔ اس موقع پر انہوں نے شیوسینا کے لیڈر بال ٹھاکرے کی خوب خبر لی اور فرقہ پرستوں کے خلاف بھیانک جنگ چھیڑنے کا اعلان کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جلد ہی ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کو ملا کر ایک مہاسنگھ بنانے کی مہم شروع کریں گے۔ کیونکہ ان کے مطابق جب تک یہ مہاسنگھ نہیں بنے گا برصغیر سے فرقہ واریت کا خاتمہ مشکل ہے۔

ملائم سنگھ نے بال ٹھاکرے کے متعلق کہا کہ میں جلد ہی ایک کھلی ہوئی جنگ کرنے جارہا ہوں۔ اگر بال ٹھاکرے ہمارے آدمیوں کو روکیں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے۔ واضح رہے کہ سنگھ کا اشارہ شیوسینا کے اس اعلان کی طرف تھا جس میں بمبئی آنے والوں کے لئے پرمٹ کی بات کہی گئی تھی۔ ملائم نے کہا کہ اگر وہ ہمارے آدمیوں کو وہاں پکڑیں گے تو ہم ان کے آدمیوں کو یہاں پکڑیں گے یعنی اتر پردیش میں ان کا داخلہ بند کردیں گے۔ ہم ان کے خلاف ٹاڈا یا دوسرا کوئی قانون لاگو کریں گے۔ اس سوال پر کہ آپ کی یہ جنگ کیسی ہوگی؟ انہوں نے کہا کہ یہ نظریات وخیالات کی جنگ ہے اور اس کا مطلب فوجی جنگ نہیں ہے۔

ایک صحافی نے جب سوال کیا کہ اگر بمبئی میں کوئی اشتعال انگیزی ہوتی ہے تو کیا آپ اس کا انتقام لکھنؤ میں لیں گے تو انہوں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہاں! اگر وہ ہمارے آدمیوں کو بمبئی میں دھمکی دیں گے تو ہم ان کے آدمیوں کو لکھنؤ میں دھمکی دیں گے۔ اور اگر ہمارے آدمیوں کو وہاں کوئی خطرہ ہوگا تو ان کے آدمیوں کو یہاں وہی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہندو مسلم جنگ نہیں ہوگی بلکہ انتہا پسند اور اعتدال پسند ہندوؤں کی جنگ ہوگی۔ انہوں نے وہاں مسلمانوں سے کہا کہ آپ لوگ بے فکر رہیں آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے۔ یہ ہماری جنگ ہے اور ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ احمد آباد میں خواتین کو برہنہ کرکے جلوس نکالا جاتا ہے اور ان کی ویڈیو گرافی کی جاتی ہے لیکن پولیس ان لوگوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیتی۔ کیا ایسی طاقتیں ہندوستان کو متحد رکھ سکتی ہیں؟ 6 دسمبر 92 کو ان تمام ہندوستانیوں کا سر شرم سے جھک گیا جو حقوق انسانی کی دہائی دیتے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ ان لوگوں پر ٹاڈا کیوں نہیں لگایا جاتا؟ ٹاڈا صرف مسلمانوں اور سکھوں کے خلاف ہی کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

ملائم سنگھ نے مزید کہا کہ جو بمبئی میں بیٹھے ہوئے ہیں کیا صرف وہی 6 دسمبر 92 کے بعد کے واقعات کے ذمہ دار ہیں (ان کا اشارہ بم دھماکوں کی طرف تھا) کیا ان کے علاوہ اور کوئی ذمہ دار نہیں ہے؟ یادو نے آگے کہا کہ ان کی حکومت مسلمانوں کی کھل کر مدد کرتی ہے کیونکہ آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کو ان کے حقوق نہیں ملے بلکہ اس کے برعکس ان کو کچلنے کی ہی کوششیں کی جاتی ہیں۔ پسماندہ طبقات، دلت، خواتین سب کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔ بالآخر یہ تمام لوگ ہمارے ساتھ جڑ گئے کیوں کہ ہم نے ان کے ساتھ انصاف دلانے کی بات کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ زبردست، ناانصافی ہوئی ہے لوگوں نے جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو فراموش کردیا ہے۔ برگیڈیئر عثمان، عبدالحمید، اور دوسرے مسلمانوں کو بھلا دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر مسلمان چاہتے تو کشمیر پاکستان میں چلا گیا ہوتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ 1962 کی جنگ میں جب ہماری فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی فوج کی کمانڈ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی، انہوں نے کہا کہ ہماری حکومت مسلمانوں کی اس لئے مدد کرتی ہے کہ وہ غریب اور دبے کچلے ہیں۔ اگر وہ اکثریت میں ہوتے تو "مسجد" کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرآت کسی میں نہیں ہوتی۔ اگر مسلمان کمزور اور خوفزدہ ہوں گے تو ہندوستان مضبوط نہیں ہوسکتا۔ ہم مسلمانوں اور سکھوں کے دلوں سے ان کا خوف وہراس دور کرنا چاہتے ہیں۔

> ہاں! اگر وہ ہمارے آدمیوں کو بمبئی میں دھمکی دیں گے تو ہم ان کے آدمیوں کو لکھنؤ میں دھمکی دیں گے۔ اور اگر ہمارے آدمیوں کو وہاں کوئی خطرہ ہوگا تو ان کے آدمیوں کو یہاں وہی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہندو مسلم جنگ نہیں ہوگی بلکہ انتہا پسند اور اعتدال پسند ہندوؤں کی جنگ ہوگی۔

رام جیٹھ ملانی سے سپریم کورٹ نے سوال کیا

کیا بال ٹھاکرے پاگل ہیں؟

بال ٹھاکرے کی "دیوانگی، سنک، جنون اور پاگل پن" سے مسلمان ایک عرصے سے واقف ہیں، کیونکہ انہیں مسلمانوں سے "عشق" ہے اور وہ اٹھتے بیٹھتے مسلمانوں کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں، جس دن وہ ایسا نہیں کرتے ہوں گے غالباً اس دن ان کا ہاضمہ خراب ہوجاتا ہوگا۔ مہاراشٹر میں ان کی حکومت کے قیام کے بعد ان کی مذکورہ خصوصیات میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ ان کے بیانات اور بھی متنازعہ اور قابل اعتراض ہونے لگے ہیں۔ وہ تحریری اور زبانی محاذ سے مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں۔ یوں تو مسلمان ان کے محبوب "ہدف" ہیں البتہ کبھی کبھار وہ قلم اور زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے دوسروں کی شان میں بھی "قصیدہ خوانی" کرنے لگتے ہیں۔ وہ بالخصوص اس وقت عدلیہ کو بھی ہدف تنقید بناتے ہیں جب عدلیہ ان کی توقع کے خلاف کوئی فیصلہ سناتی ہے یا اس کے کسی فیصلے سے ٹھاکرے کو پریشانی ہوتی ہے۔

اب سپریم کورٹ کو بھی یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ بال ٹھاکرے پر پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے اور شاید اس کا یہ بھی خیال ہے کہ اس مرض کا علاج ضروری ہے۔ اسی لئے گذشتہ دنوں سپریم کورٹ نے بال ٹھاکرے کے خلاف نوٹس جاری کرتے ہوئے ان کے وکیل رام جیٹھ ملانی سے سوال کیا کہ آپ کا موکل پاگل ہے کیا؟

دراصل ٹھاکرے نے مراٹھی روزنامہ لوک ستا اور اپنے اخبار سامنا میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اے۔ ایم احمدی اور دوسرے جج جسٹس ایس۔پی بھروچہ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جسٹس بھروچہ کی عدالت میں شیوسینا کو بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ انہوں نے آگے لکھا کہ"

باقی صفحہ ۱۸ پر

کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی ہورہی ہے

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کے چیئرمین کا اعتراف

گذشتہ دنوں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کے چیئرمین مسٹر جوسے ایالولاسو نے وادی کشمیر کا دورہ کیا۔ وہاں وہ یہ دیکھنے گئے تھے کہ وادی میں انسانی حقوق کی کیا حالت ہے؟ کہیں ان کی پامالی اور خلاف ورزی تو نہیں ہورہی ہے۔ انہوں نے حریت کانفرنس کے رہنماؤں سے بھی گفت وشنید کی اور کہا کہ وادی میں انسانی حقوق کی صورتحال اچھی نہیں ہے۔

مولوی عمر فاروق اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کے چیئرمین: مسئلہ کشمیر پر تبادلہ خیال

انہوں نے کہا کہ یہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہورہی ہے اور یہ خلاف ورزی مختلف سطحوں پر اور بڑے پیمانے پر ہورہی ہے۔ انہوں نے حریت کانفرنس کے چیئرمین مولوی عمر فاروق کی رہائش گاہ پر حریت لیڈروں سے میٹنگ کی اور اس بات پر زور دیا کہ مسئلہ کشمیر کو پر امن طریقے سے حل کیا جانا چاہئے۔ انہوں نے تشدد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ تشدد سے تشدد ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس سے کسی مسئلے کا حل نہیں نکلتا۔ انہوں نے مولوی عمر فاروق کے اس خیال کی ستائش بھی کی کہ مسئلہ کشمیر کو پرامن طریقے سے حل کیا جانا چاہئے۔

مسٹر لاسو نے کہا کہ حالانکہ پرامن طریقے سے چل کر فوری طور پر ہی کسی مسئلے کا حل نہیں نکلتا لیکن ایک ٹھوس بنیاد فراہم ہوجاتی ہے، جو مستقبل میں بہت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔ انہوں نے سیاسی سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ میرا کام سیاست میں پڑنا نہیں بلکہ انسانی حقوق کا جائزہ لینا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس دورے میں انہوں نے تحقیق اور جانچ پڑتال نہیں کی ہے بلکہ صرف انسانی حقوق کے معاملات پر نظر رکھی ہے۔ میں ان حالات اور امور کا البتہ تجزیہ کر رہا ہوں جن سے مجھے اس مسئلہ کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ کشمیری عوام کے خیالات ونظریات کو جاننے میں مجھے دلچسپی رہی ہے اور میں نے مختلف مکتبہ فکر کے لوگوں سے ملاقات بھی کی، تاکہ انسانی حقوق کی صورتحال کا باسانی اندازہ لگایا جاسکے۔

نئی دہلی کے ہاتھوں سے کشمیر پھسلتا جارہا ہے

حادثہ چرار کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو ایک نئے طرز فکر کی ضرورت ہے

ایک فکر انگیز تحریر

چرار شریف میں جو کچھ ہوا اس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ شاید نئی دہلی کے ہاتھوں سے کشمیر مسلسل پھسلتا جارہا ہے۔ گذشتہ دنوں چرار شریف جس طرح ایک ویرانے میں تبدیل کردیا گیا، زیارت گاہیں اور مسجدیں جسطرح خاکستر ہوگئیں اور حکومت بار بار اس المناک حادثہ کی ذمہ داری پاکستانی ایجنٹوں پر ڈالتی رہی اس سے تو صاف ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری کمزور فوج اور بے بس سیاسی حکمرانوں کی گرفت سے کشمیر کا خطہ پھسلتا جارہا ہے۔ ذرا غور کیجئے کوئی صاحب ہیں مست گل جن کے اساطیری قصے زبان زد عام ہیں جن کی دہشت سے ہماری مسلح فوج کانپتی ہے۔ ایک دوسرے صاحب ہیں جو جنرل افغانی کے نام سے مشہور ہیں ان کا بھی بڑا دبدبہ ہے یہ دونوں حضرات گذشتہ دو مہینوں کے دوران ان پریس رابطہ میں رہے ہیں۔ ان کا وادی میں موجود ہونا اور ان کی غیر ملکی شناخت کے بارے میں ہر خاص و عام کو علم ہونا معمول کی بات ہے۔ لیکن ہماری حکومت جو کشمیر میں فوجی کاروائی پر بے دریغ وسائل انڈیل رہی ہے اور جس نے ہر کشمیری مسلمان پر اوسطا تین فوجی لگا رکھا ہے ان دو حضرات پر قابو پانے پر ناکام ہے۔ نوبت بایں جا رسید کہ غیر ملکی دہشت گردوں کو بحفاظت سرحد پار واپس پہنچانے کی پیشکش کی جاتی ہے۔ آخر یہ سب کیا ہورہا ہے یہ کیسی پالیسی ہے جس نے اتنے بڑے طاقتور ملک کو ایک رچھوٹے سے خطے میں بے بس و مجبور بنادیا ہے اور جہاں بقول حکومت رہ بھاڑے کے چند دہشت گردوں نے سرحد پار سے آکر اس کے لئے لامتناہی مشکلات کا رسلسلہ پیدا کردیا ہے۔ یک دوسرا منظر ملاحظہ کیجئے۔ چرار شریف کا شہر کوئی دو ماہ سے فوج نے حصار میں لے رکھا ہے۔ نہ وہاں کسی کو جانے کی اجازت ہے اور نہ وہاں سے کسی کو آنے کی۔ شہر میں کیا کچھ ہورہا ہے کسی کو نہیں معلوم۔ سوائے ان چند حکمرانوں کے جو دہلی کی کرسیوں پر کر اپنی غلط پالیسی کی وجہ سے کشمیر کے اندر ایک عوامی بغاوت کا ماحول تیار کررہے ہیں۔ پریس والوں کا داخلہ شہر میں ممنوع ہے۔ دنیا کو نہیں معلوم کہ ایک چھوٹے سے شہر پر اتنی بڑی فوج نے صکیوں چڑھائی کررکھی ہے اندر کیا کچھ ہورہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک جمہوری حکومت میں اس طرح بند بند ملٹری ایکشن کا حق کسی حکومت کو کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ پھر اس دو ماہ کے دوران حالات کس رخ پر جاتے رہے اس بارے میں بھی کسی کو کچھ نہیں بتایا گیا۔ ہندوستان کے ہر شہری کو یہ جاننے کا حق حاصل ہے کہ آخر چرار شریف کا یہ حادثہ کیسے ہوا؟ صورت حال کو یہاں تک لے جانے کا ذمہ دار کون ہے؟ اسے یہ بھی جاننے کا حق حاصل ہے کہ چرار شریف کے حادثے کے بعد پوری وادی میں حکومت کے کارندوں اور فوج نے احتجاج کرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔ ورنہ چرار شریف میں جس طرح چوری چھپے پوری کاروائی ہوئی ہے۔ اس سے حکومت کی نیت کے بارے یں ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں خاصے شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں۔ بالخصوص ایسی صورت حال میں جب بابری مسجد کے انہدام کا ذمہ دار وزیر اعظم دلی کی کرسی پر ابھی براجمان ہے۔ چرار شریف کی تباہی کے فورا بعد ہی حکومت نے حسب معمول ساری ذمہ داری نام نہاد پاکستانی دراندازوں پر ڈال دی۔ لیکن پورا واقعہ جس طرح رات کی تاریکی میں انجام کو پہنچا اور ملکی اور بین الاقوامی پریس کو اس واقعہ سے دور رکھا گیا، اس کے بعد حکومت کے بیان کی صداقت پر شاید کوئی احمق ہی ایمان لائے۔ پھر حادثے کے بعد سری نگر میں ریاستی حکومت کے ذمہ داروں کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں فوج کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ سوال یہ نہیں پیدا ہوتا ہے کہ ذمہ دار کون ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم وادی میں چاہتے کیا ہیں؟۔ بابر سے جتنی بھی شورشیں ہوں اگر ملک کے عوام ہی اس جو پذیرائی نہ ملے تو وہ کارگر نہیں ہوسکتیں۔ کشمیر میں صورتحال یہ ہے کہ نئی دہلی کا ہر عمل کشمیری عوام کے اندر ہندوستان مخالف جذبات پیدا لکرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جو لوگ حکومت کے لوگ ایوانوں میں بیٹھے ہیں وہ مسئلہ کشمیر کو روبوٹ کے انداز سے حل کرنا چاہتے ہیں شاید ان کے دلوں بنیادی انسانی جذبات، محبت، انسانیت، ہمدردی، غمگساری جیسی چیزیں نہیں پائی جاتی ہیں۔ ورنہ ایک ایسے وقت میں جب پوری وادی میں احتجاجی مارچوں کا سیلاب آیا ہو لوگ شدت جذبات سے پاگل ہورہے ہوں گھر ویران اور عصمتیں تاراج ہورہی ہوں۔ جہاں ہر دل دکھا ہو وہاں ضرورت ہمدردی کے چند بول کی تھی نہ اس عزم کے اظہار کی جیسا کہ وزیر اعظم نے کیا کہ وادی میں حالات کی خرابی کے باوجود انتخابی عمل کا پروگرام جاری رہے گا۔ اتنے بڑے حادثے کو ہمارے وزیر اعظم نے ایک وقتی دھچکہ بتاتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ اس سے کشمیر میں انتخابی عمل کے ان کے ارادوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ انہیں کون بتائے کہ کشمیر کی وادی میں جو لوگ آباد ہیں وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ انہیں آپ کا گرجدار اظہار عزم نہیں چاہئے بلکہ ہمدردی کے دو بول چاہئے جو ان کے زخموں پر مرحم رکھ سکے۔

چرار شریف کی زیارت گاہ کا ایک تفصیلی خاکہ

> ایک جمہوری حکومت میں اس طرح بند بند ملٹری ایکشن کا حق کسی حکومت کو کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟۔ ہندوستان کے ہر شہری کو یہ جاننے کا حق حاصل ہے کہ آخر چرار شریف کا یہ حادثہ کیسے ہوا؟ صورت حال کو یہاں تک لے جانے کا ذمہ دار کون ہے؟

بی جے پی کے علاوہ ملک کی تقریبا تمام سیاسی جماعتیں اور ممتاز دانشور اس بات کا عزم ظاہر کرتے رہے ہیں کہ کشمیر میں فوج کشی کا سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیمیں کشمیر کے بارے میں گذشتہ چار سالوں میں اب تک جو رپورٹیں شائع کی ہیں۔ یہ سب کچھ دنیا میں ہندوستان کی تصویر ایک فاشسٹ ملک کی حیثیت سے پیش کرنے میں مدد کی ہے۔ دوسری طرف سرحد پار جو کشمیر میں آزادی آزادی کا نعرہ بلند کرنے کیلئے منصوبے تیار کرتے رہتے ہیں۔ انہیں بھی سمجھنا چاہئے کہ کشمیر کے اندر انتشار کی صورت حال کو ہوا دے کر وہ نہ تو اسلام کی خدمت کررہے ہیں اور نہ ہی لوگ کشمیری مسلمانوں کی۔ آزادی آزادی لیکن آخر کس سے آزادی اور کس کے لئے آزادی کسی ایسی آزادی سے کس کا بھلا ہوگا۔ اسلام کا یا کشمیری سلمان کا۔ ضرورت ہے کہ کشمیر کی مذہبی قیادت اسلام کی روشنی میں اپنی جدوجہد کا راستہ متعین کرے۔ یہ صحیح ہے کہ گذشتہ پچاس سالوں میں ان کے ساتھ شدید ناانصافی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ آج چار سال سے مسلسل فوج کشی کا سامنا کرنے کے بعد ان کا جسم زخموں سے چور اور ان کی آبرو بری طرح مجروح ہے لیکن یہ صرف وادی کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں یہ تو بیس کرور ہندوستانی مسلمانوں کی مشترکہ کہانی ہے۔ اس صورتحال کو بدلنے کے لئے ہمیں مل جل کر جدوجہد کرنا ہوگی۔ ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا ہے کہ اس ملک کو جن منحوس فسطائی طاقتوں نے آگھیرا ہے۔ اور جس ظالم نظام کے شکنجوں میں یہاں کے مجبور و بے بس کمزور عوام پس رہے ہیں ان کو اس دردناک انجام سے نجات دلانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم اپنے لئے ایک الگ خطے کا مطالبہ کرکے اپنی عافیت کا سامان مہیا کریں مسلمان کی حیثیت سے ہمارے فرض منصبی سے فروتر ہے۔ دنیا کی چھپن مسلم ریاستوں میں اگر ایک مسلم ریاست کا اضافہ ہو بھی گیا تو اس سے اسلام کے عالمی غلبہ کی تحریک پر کچھ بھی فرق نہیں واقع ہوگا۔ پھر ایک ایسی خواہ مخواہ کی جدوجہد میں اپنی قوت ضائع کرنا یا اسے اسلامی جہاد سمجھنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ کشمیر سے کنیاکماری تک پھیلے ہوئے بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ ہندوستان اس وقت فسطائیت کے بھنور میں گرفتار ہے۔ ایسے نازک وقت میں ملک کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے اس ملک کو پہلے سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ ایسا اس لئے کہ صرف مسلمانوں کے پاس ہی خدا کا آخری پیغام محفوظ ہے۔ لہذا اپنے اپنے خطوں میں اپنی اپنی حفاظت کے منصوبے بنانے کے بجائے ہمیں پورے ملک کی فکر کرنی ہوگی۔ ہمارے اسلاف کی تاریخی یادگار عمارتیں، اکابرین کے مدفن، اور حکمرانوں کے آثار ہم سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے اس محبوب ملک کو دنیا کی نگاہوں میں ایک بار پھر عظیم روحانی مرتبہ حاصل کرانے کے لئے تم متحرک کیوں نہیں ہوجاتے؟۔ چرار شریف اور اس جیسی بے شمار صوفیاء کے تاریخی حوالے ہم سے پوچھتے ہیں کہ جس ملک میں ہم نے مدتوں وسعت قلبی اور اعلی ظرفی کا درس دیا ہے آج اسے تنگ نظری اور دقیانوسیت کے منحوس دھندلکے سے نکال لے جانے کا کام آخر کون انجام دے گا؟ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح کشمیر کے مسلمان بھی ایک عظیم ہندوستانی وراثت کے امین ہیں۔ لال قلعہ اور جامع مسجد کے تزک و احتشام میں ان کا بھی حصہ ہے۔ آخر وہ اس عظیم تاریخی ورثے سے اتنی آسانی سے اپنا دامن کیسے چھڑا سکتے ہیں؟

> دنیا کی چھپن مسلم ریاستوں میں اگر ایک اور مسلم ریاست کا اضافہ ہو بھی گیا تو اس سے عالمی غلبہ کی تحریک پر کچھ بھی فرق نہیں ہوگا۔ پھر ایک ایسی خواہ مخواہ کی جدوجہد میں اپنی قوت ضائع کرنا یا اسے اسلامی جہاد سمجھنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

مولانا مجیب الرحمن القاسمی جنوب کے دورے پر

ملی ٹائمز انٹرنیشنل کی توسیع واشاعت کے لئے مولانا مجیب الرحمن صاحب کا دورہ جنوبی ہند شروع ہوچکا ہے۔ آپ دوران سفر مختلف شہروں میں سرکردہ مسلم شخصیات سے تبادلہ خیال بھی فرمائیں گے اور ملی ٹائمز کے ذریعہ پوری امت کو ایک دھاگے میں پرونے کی اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔

اللہ آپ کی مساعی قبول فرمائے

اگر انصاف کے قیام کے لئے ہم اب بھی نہ اٹھ کھڑے ہوئے تو

چرار شریف کی آگ پورے ملک کو جلا ڈالے گی

پروفیسر محمد حسن کا چشم کشا تجزیہ

چرار شریف کو آگ کی لپیٹوں نے مسمار اور منہدم کردیا۔ یہ آگ کس نے لگائی اور کیوں لگائی؟ ان کے پیچھے سوالوں کا ایک پورا سلسلہ ہے مگر یہ سلسلہ نیا اور انوکھا نہیں ہے۔ اس سے پہلے اجودھیا کی بابری مسجد مسمار کی گئی۔ کس نے مسمار کی اور کیسے کی؟ یہ سوال آج بھی جواب کے طلبگار ہیں؟ اب ان میں اور اضافہ ہوگیا۔ کشمیر کے ایک مزار کا اور وہاں کی کئی مسجدوں کا۔

اگر حکومت وقت خواہ وہ مرکز میں ہو یا ریاست میں اقلیتوں کے مذہبی مقامات کی حفاظت کرنے میں ناکام ہو، زیر سماعت مقدمات کے فیصلے سے پہلے اجودھیا میں مذہبی پرستش گاہوں پر یورش روکنے میں ناکامیاب ہو، ہبلی میں عید گاہ پر جھنڈا لہرانے کے سلسلے میں دخل نہ دے تو یہ واضح بیان دینے میں کیا حرج ہے کہ موجودہ حکومت ہند یا تو آئین پر عملدر آمد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی یا اس آئین کی پابند نہیں۔ دونوں صورتوں میں آئین کے مطابق استعفی دینا ضروری ہے۔

لیکن یہ صرف کسی ایک مزار کا معاملہ نہیں ہے۔ شیخ نور الدین کے مزار کی کشمیر کے لئے وہی اہمیت ہے جو ہندوستان میں اجمیر شریف میں خواجہ معین الدین چشتی کے مزار کی ہے کہ وہاں ہزاروں لاکھوں عقیدت مند زیارت کو جاتے تھے اور دل کا سکون پاتے تھے پھر وہ کون تھا جس نے سکون اور قرار کے اس مرکز کو جلا کر خاکستر کردیا۔

حکومت ہند کہتی ہے کہ یہ کام غیر ملکی دراندازوں کا ہے؟ غیر ملکی نشریے بتاتے ہیں کہ یہ کام خود حکومت ہند کی فوجی کاروائی کا حصہ ہے؟

کے گواہ کریں کس سے منصفی چاہیں

کوئی آج کی بات نہیں سکھوں کے گولڈن ٹمپل کے زمانے کی بات ہے ایک دم قافلہ اٹھا کہ شری بھنڈرا والاں نے اپنے ساتھیوں سمیت گولڈن ٹمپل ہی میں پناہ لے لی اور انہیں وہاں سے ہٹانے کے لئے سکھوں کی اس مقدس ترین عبادت گاہ کو ہندوستانی فوج کے ہاتھوں تباہ ہونا پڑا۔ ہائے بیچاری ہندوستانی فوج!

اب یہی خبر سری نگر سے آئی ہے کہ چرار شریف میں اول تو دراندازوں نے پولیس اور فوج کی پوری نگرانی کے باوجود وہاں خانقاہ میں پناہ لی اور دوسرے حکومت ہند کی ساری فوجی قوت کے باوجود چرار شریف کی درگاہ اور مساجد کو آگ لگادی۔ ایک لمحے کو جی چاہتا ہے کہ جو خبریں ہماری حکومت کے ذمہ داران دے رہے ہیں اس پر حرف بحرف یقین کرلیا جائے تو بھی یہ سوال تو بہرحال اپنی جگہ قائم ہے کہ حکومت ہند کے فوجی دستے کیا کررہے تھے؟ انھوں نے چرار شریف کی درگاہ میں "دراندازوں" کو پناہ لینے دی پھر ان سے ہاتھ جوڑ کر گذارش کرتے رہے کہ آپ کے مزاج میں آئے تو ہم آپ کو سرحد پار کروادیں اور اسی یقین دہانی کے ساتھ کہ آپ کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیں گے اور پھر بھی اگر آپ خانقاہ شریف کو ہی نہیں پورے قصبے کو آگ لگانے ہی پر اصرار کرتے ہیں تو لگالیجئے آگ۔ جب خانقاہ شریف اور پورا قصبہ جل بجھے گا تو پھر آپ کی مرضی ہم آپ کا ہاتھ نہ روکیں گے۔ یہ ہے ہماری وہ جنگ جو بہادر اور کیل کانٹے سے مسلح فوج جس کے فوجی سازو سامان حاصل کرنے اور مستعدی دکھانے کی دنیا بھر میں دھوم ہے

اور جب چرار شریف کی درگاہ جل کر بھسم ہوجاتی ہے تو ہمارے جاں باز فوجی اور ان کی سربراہ حکومت ایک وضاحتی بیان جاری کرکے اپنا ضمیر صاف کرلیتی ہے۔

جی ہاں۔ یہ وہی جانباز ہندوستانی فوج ہے جس کی نگرانی اور مستعدی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈر شری جوشی نے حکومت ہند اور کانگریس پارٹی کی مرضی کے خلاف سری نگر کے لال چوک میں چند سال پہلے یوم آزادی پر قومی جھنڈا لہرایا تھا۔ اور کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ بھائی میرے، تیرے جیسے قوم دشمن کے ہاتھ یہ قومی پرچم آکیسے گیا کہ تو جس جگہ چاہے، مسجد ہو یا چوراہا ہو، اس مقدس نشان کو لہرادے اور جہاں چاہے جب چاہے فوج کی نگرانی اور نگہداشت میں کاروائی کرتا رہے۔ جب بابری مسجد کو ڈھادے جب چاہے امرناتھ یاترا کے بہانے ریاست کے رہنے والوں پر طرح طرح کی پابندیاں لگائے۔

ہو ان کے صرف زخم باقی ہیں جو کبھی کبھی رستے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا کشمیر سے بنگلور تک۔ اجودھیا سے ٹاڈا تک۔ جگہ جگہ ہندوستان کے شاندار جمہوری سیکولر دستور کے پرزے پڑے ہیں جو کبھی یاد دلاتے ہیں کہ

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ان میں تازہ ترین ہے چرار شریف کی درگاہ اور مساجد کے نذر آتش ہونے کا واقعہ!

اس ضمن میں پہلا سوال یہ آتا ہے کہ ہندوستان جنت نشان پر حکومت کس کی ہے۔ نرسمہاراؤ کی یا "دراندازوں" کی، چرار شریف ہندوستان ہی کی سرزمین کا حصہ ہے یا کسی اور علاقے کا۔۔ اور اگر یہ علاقہ ہندوستان میں شامل ہے تو پھر اس کی حفاظت کی ذمہ داری کس پر عاید ہوتی ہے۔

صاف صاف بات کی جائے تو حکومت وقت کو یا کھلم کھلا اس زبردست حادثے "کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے اور اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ ملک کے آئین اور دستور کے مطابق اقلیتوں کی اور اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کی حفاظت میں ناکام رہی ہے اور آئین کی یہ خلاف ورزی اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے بعد کسی پارٹی یا فرد کا حکمراں رہنا ممکن نہیں۔ اگر حکومت وقت خواہ وہ مرکز میں ہو یا ریاست میں اقلیتوں کے مذہبی مقامات کی حفاظت کرنے میں ناکام ہو، زیر سماعت مقدمات کے فیصلے سے پہلے اجودھیا میں مذہبی پرستش گاہوں پر یورش روکنے میں ناکامیاب ہو، ہبلی میں عید گاہ پر جھنڈا لہرانے کے سلسلے میں دخل نہ دے۔۔۔ تو یہ واضح بیان دینے میں کیا حرج ہے کہ موجودہ حکومت ہند یا تو آئین پر عملدر آمد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی یا اس آئین کی پابند نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں آئین کے مطابق استعفی دیدینا ضروری ہے۔ یہی بات ہے جو ارجن سنگھ اور بعض دوسرے لوگ کہہ رہے ہیں۔ مگر حکومت وقت 15 کروڑ روپے کی امداد کے اعلان سے ابھی تک آگے نہیں بڑھی ہے۔

۔۔۔اور یہ اعلان بھی خوب ہے۔ اگر ہماری یادداشت غلطی نہیں کرتی تو اجودھیا میں بابری مسجد ٹوٹنے کے فوراً بعد بھی وزیر اعظم شری نرسمہاراؤ نے مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرانے کا وعدہ بھی اسی جوش وخروش سے کیا تھا۔ مگر آج کیا انھیں وہ وعدہ یاد ہے؟۔ یہ شکوہ بہت پرانا ہے کہ کشمیریوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو کوئی دلچسپی نہیں؟ اکثر سرحد پار سے بھی یہی الزام عاید کیا جاتا ہے اور خود کشمیر میں بھی یہ احساس عام ہے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ شکوہ صحیح ہے یا غلط مگر اتنی بات تو یقیناً درست ہے کہ ہندوستان میں رہنے بسنے والے مسلمان اپنے سینے پر پتھر کی سل رکھ کر خاموش رہتے ہیں، کبھی انھیں کسی اعتماد کی جھلک نظر آتی ہے تو وہ اپنے ہموطنوں اور خاص طور پر بے تعصب ہموطنوں۔۔۔ کے طرز عمل میں اور وہ اسی سہارے زندہ ہیں کہ

ہماری سینہ فگاری کوئی تو دیکھے گا
نہ دیکھے اب تو نہ دیکھے کبھی تو دیکھے گا

مگر اس کو کیا کیجے کہ ملک میں آواز حق گلوگیر ہے۔ انصاف کی صدا بے آواز ہے اور ضمیر وقت پر مصلحت کا قبضہ ہے، منافقت کا راج ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہے اور اقلیت اور تنہا اقلیت اس ظلم و ستم کی دہائی دے رہی ہے۔ ہاں کچھ لوگ ہیں جو ابھی تک ساحل سے کشتی قوم اور ڈوبتی ہوئی کشتی قوم کا نظارہ کرتے ہیں۔ انہی حادثوں میں سے ایک ناقابل دفاع واقعہ ہے چرار شریف کی درگاہ کا نذر آتش ہونا۔ اس موقع پر بھی ہندوستان کے مسلمانوں نے نہایت صبر و سکون کا ثبوت دیا ہے۔

اب حکومت ہند کا فرض ہے کہ وہ ذمہ داری کا ثبوت دے۔ درگاہ تو دوبارہ تعمیر ہوجائے گی خواہ وہ حکومت وقت کے فراہم کردہ سرمایے سے ہو یا عقیدت مندوں کے اقدام سے مگر جس مسئلے کی طرف جلتی ہوئی درگاہ نے اشارہ کیا ہے کیا وہ مسئلہ بھی حل ہوگا؟۔

ہم نہیں کہتے مگر اخبار اسٹیٹمین کے نئی دہلی اڈیشن میں 13 مئی کو یہ خبر بھی چھپی کہ ایک عینی شاہد کے بیان کے مطابق فوجی ہیلی کاپٹروں نے رات میں اڑان بھر کر پہلے آتش گیر مادہ درگاہ چرار شریف پر پھینکا جس کے بعد آگ لگائی گئی اور یہ بیان ہے اس علاقے میں رہنے والے ایک شخص کا جسے اخبار کے نامہ نگار نے نقل کیا ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو کیا اس کی تفتیش اور تحقیق ضروری نہیں ہے کہ اگر ہم بے گناہ ثابت ہوں اور حکومت ہند اس کے فوجی سربراہ بے قصور نکلیں تو ہم دنیا کے سامنے کھڑے ہوسکیں۔ اگر اس قسم کی کوئی فوجی کاروائی ہوئی ہے تو اس کے ذمہ داروں کو سزا دینی ضروری ہے اور اگر نہیں تو اس کی صراحت اور وضاحت لازمی ہے۔

ابھی تک حکومت ہند کی پوری کشمیر پالیسی پر بی جے پی کا قبضہ ہے یہ مسئلہ الگ ہے کہ اس سوال پر دوسری پارٹیوں کا رخ بھی تقریباً اسی نوعیت کا رہتا ہے اور اس رویے کو "قومی" رویہ قرار دے کر اس پر سوچنے سمجھنے کے سارے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔ زمانہ وہ ہے کہ عرب اسرائیل کے معاملات کھلم کھلاطے ہوئے ہیں اور شدید سے شدید تنازعے بھی گفت و شنید کے ذریعے سلجھائے جاتے ہیں مگر ہمارے

ہر علاقے سے یہ آواز اٹھنی چاہئے اور صرف یہ احتجاج ضروری ہے کہ آخر کار "حکومت ہند" ہماری مذہبی عمارتوں کی حفاظت کرنا کب سیکھے گی۔ اس میں ہر مذہب، ہر فرقے اور ہر علاقے کے لوگ شامل ہونے چاہئیں چاہئیں۔

سیکولر ملک کا رویہ یہ ہے کشمیر کا مسئلہ ہو یا اقلیتوں کا قضیہ ان پر گفتگو کرنے اور مشورہ دینے کا حق صرف چند رجسٹرڈ قسم کے لوگوں کو حاصل ہے۔ اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو نصف صدی سے پڑھایا ہوا سبق نہایت وفاداری اور اطاعت کے ساتھ دہراتے رہتے ہیں۔

جگ موہن کے دورہ گورنری سے آج تک اسی طرح بلکہ اس سے بدتر حالت میں جاری ہے مزا یہ ہے کہ نہ جگ موہن پر کوئی مقدمہ قایم ہوا نہ موجودہ فوجی سربراہوں پر کہ بھائیو! تمہیں نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا اور تم وہاں امن وامان قائم رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ آخر یہ کیا ہوا کہ تم امن چین کی نیند سوتے رہے اور کشمیر جلتا رہا۔ کیا وہ یہی عقل و دانش ہے جس پر جگ موہن صاحب کو اتنا گھمنڈ ہے کہ انہیں ہندوستانی مسلمانوں میں عقل و دانش کی کمی نظر آتی ہے، کیا یہی وہ حکمت عملی اور فوجی فراست ہے۔ جو کسی دوسرے ملک کی فوج کے سامنے نہیں محض چند "دراندازوں" کے سامنے اس طرح بے آبرو ہوتی ہے کہ پورے ملک کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

چرار شریف کے واقعے نے ایک بار پھر ملک کے ضمیر کو جھنجوڑا ہے اس حادثے کا مطالبہ ہے کہ (الف) اکثریت اقلیتوں اور خصوصاً مسلم اقلیت اور اس کی عبادت گاہوں، مسجدوں، مزاروں قبرستانوں اور مقدس مقامات اور ان کے جان و مال کی حفاظت کے بارے میں اپنا رویہ واضح کرے اور

بقیہ صفحہ ۱۳ پر

کوئی یہ جاننے کی کوشش نہیں کر رہا ہے کہ عوام کیا چاہتے ہیں

کشمیر میں سردست انتخابی عمل کی نہیں قیام امن کی ضرورت ہے

اننت ناگ کشمیر سے اقبال جان بدر کی رپورٹ

ریاست جموں وکشمیر میں جہاں پچھلے چھ سالوں سے صدر راج کی توسیع بتدریج ہوتی رہی انتخابات کرانا مرکز کے لئے ضروری بن گیا ہے۔ مگر کیا واقعی کشمیر میں انتخابات ہونگے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینے میں خود ملک کے رہنما بھی تذبذب کے شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں سے "ابھی ماحول سازگار نہیں ہے" (مفتی محمد سعید) تو کہیں سے "اندرونی خود مختاری کی شرط پر ہوسکتے ہیں" (ڈاکٹر فاروق عبداللہ) جیسے متضاد خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔ آخر وہاں کے لوگوں کی کیا رائے ہے۔ اس پر شاید کسی کی نظر نہیں گئی یا اسے جاننے کی کوشش نہیں کی گئی کیونکہ سرکار کو بیرونی دنیا کا منہ بند کرنے کی فکر ہے اسی لئے وہ الیکشن کا چراغ جلانا چاہتی ہے۔ تاکہ دور سے دنیا محسوس کرے کہ وہاں بھی روشنی ہے مگر کیا عام لوگوں کو چراغ تلے اندھیرے میں رکھا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ عوام یہ چراغ کیوں نہیں جلاتے کیا وہ اس کے لئے تیار ہیں مسلح جد وجہد سے متنفر ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ لوگوں کی سوچ ہندوستان کے حق میں نہیں ہے۔

> اگر لوگوں کے زخم مندمل کرنے ہوں تو پہلے مزید خون خرابہ روکنا ہوگا۔ ظلم بند کرنا ہوگا۔ امن قائم کرکے دکھانا ہوگا۔ بھارت کو اس دن الیکشن کا نام لینا ہوگا جس دن ریڈیو کشمیر سے کسی بھی خون خرابے کی خبر نشر نہ ہوگی۔ جب پنڈتوں کی کشمیر واپسی ممکن ہوسکے گی۔

سوال یہ ہے کہ سیاسی پارٹیاں کس کو اپنا نمائندہ بنائیں گی۔ حریت کانفرنس کے لیڈروں کو جیلوں سے رہا کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بھارت کے حامی ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ حریت کا مطالبہ جاری رکھے ہوئے ہیں "کشمیر لبریشن فرنٹ" کے محمد یسین ملک کی تنظیم کا نام ہی بھارت سے علاحدگی کا ہے شبیر احمد شاہ نے بھارتی پاسپورٹ پر باہر جانا بھی گوارہ نہیں کیا۔ سید علی شاہ گیلانی نے بھارت سے الحاق کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنایا ہے یہ ہیں وہ سرفہرست لیڈران جو کشمیر کے لوگوں میں اس وقت جانے جاتے ہیں رہی بات ہند نواز لیڈران کی تو وہ اپنے لوگوں سے مل بھی نہیں سکتے ہیں تو ان کو نمائندہ بنانے کا فائدہ؟ کیا کشمیری عوام ان کو اپنا نمائندہ بنانا گوارہ کریں گے جو کہ وادی سے باہر عیش وآرام کررہے تھے۔ جب ان کے عزیز ان سے بچھڑ گئے۔ ان کی ماؤں بہنوں کی عصمت لوٹ لی گئی۔ ان کے گھر جلائے گئے تو وہ کہاں تھے؟ ڈاکٹر فاروق عبداللہ سری نگر کی گلیوں میں کس منہ سے جائیں گے وہ ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے جن کے عزیز فوجیوں کی گولیوں کا شکار ہوکر مولوی محمد فاروق کا جنازہ بھی کندھوں پر نہ رکھ سکے۔

مفتی محمد سعید اپنے آبائی قصبہ میں کس منہ سے جائیں گے جہاں ہر گھر کا لاڈلا اس وجہ سے فوج کی گولی کا نشانہ بنا کہ وہ موئے مقدس کی حفاظت کی مانگ کر رہا تھا۔ یہ چند عنوانات ہیں جنہوں نے کشمیریوں کے دل مجروح کئے ہیں۔ کیا بھارت کا خیال ہے کہ نوکریوں میں ریزرویشن سے ان کے زخم بھر جائیں گے۔ اگر لوگوں کے زخم مندمل کرنے ہوں تو پہلے مزید خون خرابہ روکنا ہوگا۔ ظلم بند کرنا ہوگا۔ امن قائم کرکے دکھانا ہوگا۔ بھارت کو اس دن الیکشن کا نام لینا ہوگا جس دن ریڈیو کشمیر سے کسی بھی خون خرابے کی خبر نشر نہ ہوگی۔ جب پنڈتوں کی کشمیر واپسی ممکن ہوسکے گی۔ مگر یہاں بیک وقت دل مجروح بھی کئے جاتے ہیں اور ڈھارس بھی بندھائی جاتی ہے۔ کیا اسی رویے سے لوگ بھارت کو اپنا ہمنوا اور غم خوار تصور کرینگے۔ یہاں بیک وقت لوگوں کو سرکاری نوکریوں سے برطرف بھی کیا جاتا ہے۔ اور لوگوں کی سوچ میں تبدیلی کا دعوی بھی کیا جاتا ہے۔ سارے ملازم ہڑتال پر ہیں ایسی صورت میں پھر کون لوگ یہاں الیکشن میں ہاتھ بٹائیں گے؟ اگر یہاں موجودہ جد وجہد کو کنٹرول کیا گیا ہے تو کون لوگ ایک مہینہ سے چرار شریف کے گرد ونواح میں مسلح طور پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی شورش زوروں پر ہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ کشمیر میں انتخابی عمل کے بجائے قیام امن کی طرف قدم بڑھائے اگر وہ اس میں کامیاب ہوگی تو کتنے ہی زور سے اس کو وہ اپنا اٹوٹ انگ بتلائے وہاں انتخابات نہیں ہوپائیں گے اور اٹوٹ انگ زخمی ہوتا رہے گا۔

کشمیری خواتین چرار شریف کے سامنے قیام امن کی خاطر دست بہ دعا ہیں

> اس لئے حکومت کو چاہئے کہ کشمیر میں انتخابی عمل کے بجائے قیام امن کی طرف قدم بڑھائے اگر وہ اس میں کامیاب ہوگی تو کتنے ہی زور سے اس کو وہ اپنا اٹوٹ انگ بتلائے وہاں انتخابات نہیں ہوپائیں گے اور اٹوٹ انگ زخمی ہوتا رہے گا۔

سیاسی پارٹیاں کشمیر میں الکشن کے مسئلے پر تذبذب کی شکار ہیں

سری نگر سے زید۔ اے۔ جلیل کی رپورٹ

ریاست جموں وکشمیر جو گذشتہ چھ برسوں سے تحریک مزاحمت کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ میں حالات اب بھی غیر یقینی ہیں حالانکہ ظاہری طور پر بین الاقوامی اور کچھ اندرونی سطح پر نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں تاہم اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ریاست میں انتخابات کرائے جاسکتے ہیں۔ پھر بھی ان حالات کے پیش نظر ہر کوئی نت نئی بولی بولنے میں مصروف ہے بلاشبہ عالمی برادری بشمول اسلامی دنیا ہندوپاک اور کشمیری عوام بھی مسئلہ کشمیر کے دیرینہ تنازعہ کا پر امن، مستقل اور دائمی حل کے متمنی ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر مرکزی سرکار کچھ خارجی اور کچھ داخلی دباؤ کے تحت گذشتہ برس سے انتخابات کراکے عوام کے نمائندوں کو عنان حکومت سونپنے کا اعلان کرنے کا راگ الاپ رہی ہے مگر ابھی تک اپنے منصوبہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی ہے۔

اگر چہ یہ آثار اب صاف نظر آرہے ہیں کہ مرکزی سرکار ریاست جموں وکشمیر میں موجودہ صدر راج کی مدت کے اختتام سے قبل یعنی 18 جولائی سے قبل ہی ریاست میں چناؤ کرانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرکزی سرکار کا منصوبہ عملی جامہ پہن سکتا ہے؟ حالانکہ مرکز کی جانب سے بعض سیاسی اور عسکری جماعتوں سے اس سلسلہ میں تعاون دینے کی اپیل کی گئی ہے جس پر مختلف رد عمل ظاہر کیا گیا ہے اور ایک بار پھر وادی میں جنگجویانہ سرگرمیاں تیز ہوگئی ہیں۔ اگرچہ مرکزی سرکار کے مشاہدین اور تجزیہ نگار شورش زدہ ریاست میں موجودہ حالات کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے دورہ پر آئے اور اپنی رپورٹ مرکزی حکومت کو پیش کی جس پر سنجیدگی کے ساتھ غور وخوض فی الحال جاری ہے تاہم وزیر اعظم، وزارت داخلہ اور تحقیقاتی بیورو (آئی بی) اور اعلی چناؤ کمشنر مسٹر سیشن جموں وکشمیر میں انتخابات کرانے پر متفق ہوتے نظر آرہے ہیں۔ ادھر مرکزی سرکار کے بعض حلقے اور نئی دلی میں مقیم اعلی سیاسی حلقے جموں وکشمیر میں موجودہ ماحول کو انتخابی عمل کے لئے سازگار اور موافق قرار دے رہے ہیں۔ مگر وزیر اعظم کے قریبی حلقے انتخابات کو ثمر آور بنانے کے لئے کل جماعتی حریت کانفرنس یا اس کے ایک حصے کو اپنے زیر اثر لاکر انتخابات کرانے کے حق میں ہیں۔ برعکس اس کے امور کشمیر محکمہ کے بعض اعلی آفسران خدشات کا اظہار کر رہے ہیں کہ حریت کانفرنس کے عدم تعاون اور عدم شمولیت یا پھر چناؤ مخالفت کی بنا پر مرکزی حکومت کے تمام منصوبے بے کار ثابت ہوجائیں گے اس لئے انتخابات سے قبل حریت کانفرنس کے بزرگ رہنما سید علی شاہ گیلانی اور چیئر مین مولانا محمد عمر فاروق کو کم از کم اس بات پر راضی کرنا ہوگا کہ اگر وہ چناؤ کے حق میں نہیں ہیں تو مخالفت بھی نہ کریں اور شبیر احمد شاہ اور بعض دیگر رہنماؤں کو لچک دار رویہ اختیار کرنے پر رضامند کیا جائے جو انتخابات کی کامیابی کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔

> انتخابات سے قبل حریت کانفرنس کے بزرگ رہنما سید علی شاہ گیلانی اور چیئر مین مولانا محمد عمر فاروق کو کم از کم اس بات پر راضی کرنا ہوگا کہ اگر وہ چناؤ کے حق میں نہیں ہیں تو مخالفت بھی نہ کریں اور شبیر احمد شاہ اور بعض دیگر رہنماؤں کو لچک دار رویہ اختیار کرنے پر رضامند کیا جائے جو انتخابات کی کامیابی کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔

کچھ حلقوں نے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا ہے کہ حریت کانفرنس کی عدم شرکت کی بنا پر عوام حق رائے دہی کا استعمال بلا خوف کرنے کے لئے آگے نہیں آئیں گے کیونکہ انہیں خون خرابہ اور تشدد بھڑک اٹھنے کا احتمال رہے گا اس کی بنا پر پولنگ نفی کے برابر بھی ہوسکتی ہے۔ جو مرکزی سرکار کو منظور نہیں۔ بہرحال مرکزی سرکار نے اپنے رویہ میں کسی حد تک لچک کا اظہار شبیر احمد شاہ اور حریت کانفرنس کے لیڈروں کو یوم پاکستان کی تقریبات اور بین الاقوامی سفارتکاروں اور رہنماؤں سے ملاقات کرنے کی اجازت دے کر کردیا۔ ادھر بھارتیہ جنتا پارٹی کا کردار چناوی عمل سے متعلق غیر واضح ہے وہ بھی نیشنل کانفرنس کی طرح مشروط طور پر اپنی شمولیت کا اعلان کرتی ہے جب کہ بعض دیگر سیاسی جماعتیں انتخابات کرنے کے فی الحال حق میں نہیں۔ ادھر حکومت نے اسمبلی حلقوں میں توسیع کا بھی اعلان کیا ہے اور مرکزی وزراء پر مشتمل ایک سات رکنی وفد تمام رپورٹوں کا جائزہ لے کر حتمی فیصلہ سنانے کا کام وزیر اعظم نے سونپا ہے۔

بہرحال ان تمام عوامل کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے چند سوالات ہر سطح پر ابھرتے ہیں کہ کیا مرکزی سرکار عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے یا پھر پیش آئندہ رکاوٹوں کو نظر انداز کر کے حقیقت سے نظریں چرانے کی کوشش کرتے ہوئے حسب سابق چناوی عمل کے طریقہ کو اپنائے گی؟ خیر وقت اپنا فیصلہ خود سنادے گا۔ پھر بھی کشمیر میں انتخابات کرانے کے بارے میں مرکزی سرکار اور سیاسی رہنما مختلف بولیاں بول کر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے میں مصروف ہیں۔ مگر ایسا کرتے وقت وہ ریاست میں موجودہ حالات کا بغور جائزہ لینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے نہ ہی حالات کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہیں۔ جہاں تک حکومت اور اس کے ماتحت انتظامیہ کا تعلق ہے وہ انتخابات کے حق میں باتیں کررہے ہیں جب کہ حزب اختلاف کی جماعتیں اس کے برعکس اپنی بولی بولتی ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ ان حالات میں چناؤ کی باتیں کرنا حماقت سے کم نہ ہوگا کیونکہ ابھی تک ریاست میں نمایاں طور پر حالات میں بہتری واقع نہیں ہوئی ہے اور اطراف وجوانب میں ان دیکھے خوف ودہشت کا ماحول طاری ہے۔ کہیں پر کسی کا کنٹرول نہیں۔ بہرحال ان حالات میں ریاست میں انتخابات کروانا مرکزی سرکار کے لئے سخت ترین آزمائش ہوگا۔

گاؤں میں داخل ہوتے ہی لاشوں نے ہمارا استقبال کیا

چیچنیا کے ایک گاؤں میں روسی افواج کی بربریت کی داستان ــ ایک روسی صحافی کے قلم سے

9 مئی کو جنگ عظیم ثانی کے یوروپ میں ختم ہونے کے پچاس سال مکمل ہوگئے۔ اس موقع پر روس میں بڑے پیمانے پر یوم فتح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔ اس تاریخ کے آنے سے پہلے صدر بورس یلتسن بہت سے کام نبٹا لینا چاہتے تھے۔ ان میں سر فہرست چیچنیا میں آزادی کے متوالوں کو کچلنے کا کام تھا۔ یلتسن اس کام کو کسی بھی قیمت پر ختم کرنا چاہتے تھے اس کے لئے ہر شہر اور گاؤں قبرستان ہی میں کیوں نہ تبدیل ہوجائے۔

روسی فوج کا یہ دعوی کہ 80 فیصد چیچنیا پر اب ان کا قبضہ ہے ماضی میں کئے گئے بہت سے دعوؤں سے مختلف نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گروزنی میں چیچن مجاہدین پناہ گزین کے بھیس میں داخل ہوکر روسی فوجوں پر حملے کررہے ہیں اور دیہاتوں پر روس کا کنٹرول برائے نام ہے۔ دراصل ایک گوریلا جنگ کا باقاعدہ آغاز ہوچکا ہے۔ چیچن مجاہدین جہاں بھی موقع پاتے ہیں، روسیوں کو جانی ومالی نقصان پہونچا رہے ہیں۔

جانی ومالی نقصانات سے پریشان روسی فوج بربریت پر اتر آئی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ گوریلا چیچن گاؤں میں رہنے والے لوگوں کی مدد سے گروزنی اور دوسرے مقامات پر حملے کرکے روسی فوجوں کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ معصوم گاؤں والے اب روسی فوج کی بربریت کا شکار ہورہے ہیں۔ بغیر کسی اشتعال کے روسی گاؤں کے معصوم لوگوں پر یا تو بمباری کرتے یا دوسرے طریقوں سے انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ تاکہ وہ چیچن مجاہدین کی مدد نہ کریں۔

ایک چیچن گاؤں سامشکی روسی بربریت کا آج جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ 7 اپریل کو روس کی فوجوں نے اس گاؤں کا محاصرہ کرلیا اور حکم دیا کہ گاؤں کے سارے لوگ ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ہتھیار جمع کردیں۔ گاؤں والوں کے پاس ہتھیار تھے ہی نہیں کہ جمع کرتے۔ لیکن اگر ہوتے بھی تو ایک حقوق انسانی کے علمبردار روسی شہری کے مطابق ڈیڑھ گھنٹے کا الٹی میٹم ناکافی تھا۔ اس مختصر وقت میں تو پورے گاؤں کے لوگوں کو اطلاع کرنا بھی مشکل تھا چہ جائیکہ فوج کے حکم پر عمل درآمد ممکن ہوتا۔ بہر کیف اس الٹی میٹم کے گزرتے ہی روسی فوجی گاؤں میں گھس گئے اور اندھا دھند فائرنگ، بمباری اور ہینڈ گرینڈ پھینک کر 250 سے زائد پر امن شہریوں کو شہید کردیا۔

روسی فوج کا کہنا ہے کہ اسے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ گاؤں والوں نے ان کا مقابلہ کیا اور 17 روسی

ایک چیچن خاتون اپنے اعزا کی ہلاکت پر غم وغصہ کی تصویر بنی ہوئی ہے

فوجیوں کو ہلاک کردیا جب کہ 32 دوسرے زخمی ہوگئے۔ فوج کے مطابق گاؤں والوں کی فائرنگ کے جواب میں جو کارروائی کی گئی اس سے صرف 122 لوگ جاں بحق ہوئے۔

مگر اس سفید جھوٹ کا پردہ اس وقت فاش ہوگیا جب ایک روسی صحافی لیف بروئی نے گاؤں کا دورہ کرنے کے بعد ایک رپورٹ شائع کی۔ اس سے قبل حقوق انسانی کے علمبرداروں اور جنگ کے مخالفین نے بھی اس روسی بربریت کے خلاف آواز اٹھائی تھی مگر اس میں تیزی بروئی کی رپورٹ کی اشاعت کے بعد ہی آئی۔

بروئی ان معدودے چند لوگوں میں شامل تھا جنہیں روسیوں نے زبردست تنقید کے بعد 13 اپریل کو گاؤں کا دورہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت تک گاؤں کے لوگ ہلاک شدگان کو دفن کررہے تھے۔ بروئی اور اس کے ساتھ دورہ کرنے والوں نے بڑے دردناک مناظر دیکھے جنہیں اس نے بعد میں تفصیل سے بیان کیا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ جیسے ہی وہ لوگ گاؤں میں داخل ہوئے ایک لاش نے ان کا استقبال کیا جو سڑک کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔ جب وہ لوگ گاؤں کے قبرستان گئے تو دیکھا کہ بوڑھے بزرگ لوگ اپنے شہیدوں کو بھاری دل سے قبروں میں اتار رہے تھے۔ پاس ہی ایک لاش پڑی تھی جس کا پیٹ گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا۔ ایک دوسری لاش کا سر پس کر رہ گیا تھا۔

روسیوں نے محض لوگوں کو قتل کرنے پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ ان کے گھروں میں بھی آگ لگا دی جس سے ان میں چھپے ہوئے لوگ جل کر ہلاک ہوگئے۔ آگ سے ہلاک ہونے والوں کی اکثر لاشیں ناقابل شناخت ہوگئی تھیں۔ بروئی نے دو ایسی لاشیں دیکھیں جو اس قدر جل گئی تھیں کہ انہیں دیکھ کر یہ بتانا مشکل تھا کہ آیا وہ مرد تھے یا خواتین۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ دو اٹھارہ سالہ لڑکیوں کی لاشیں تھیں۔ گھروں میں آگ لگنے سے بہت سے معصوم بچے بھی جل کر ہلاک ہوگئے۔ ان میں سے کتنوں کی صرف ہڈیاں مل سکیں۔ بقیہ حصہ جل کر راکھ ہوچکا تھا۔

سامشکی کے بعض علاقے تو آگ سے بالکل ہی تباہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ گائیں بھی جل کر ختم ہوگئیں۔ کم از کم تین اہم سڑکوں پر واقع سارے ہی مکان جل کر تہس نہس ہوگئے۔

ایک مقامی خاتون نے دورہ کر رہے روسی صحافی لیف بروئی کو بتایا کہ وہ بہت سے لوگوں کے ساتھ ایک تہ خانے میں پناہ لئے ہوئے تھی کہ روسی فوجی وہاں پہونچ گئے۔ لوگوں نے چیخ کر روسیوں کو بتایا کہ یہاں صرف غیر مسلح شہری پناہ لئے ہوئے ہیں اس لئے وہ فائرنگ نہ کریں۔ اس کے جواب میں ایک فوجی نے ایک ہینڈ گرینڈ تہ خانے میں اچھال دیا۔

شہداء کے متعلقین تکفین وتدفین کے مراحل سے گزرتے ہوئے

ایک دوسری خاتون نے بتایا کہ کس طرح روسی درندوں نے اس کی بیٹی کو پہلے ہلاک کیا اور پھر گھر کو آگ لگادی جب یہ بوڑھی خاتون رو رو کر اپنی روداد غم سنا رہی تھی تو اس کی دوسری چھوٹی سی معصوم بچی راکھ کے ڈھیر میں اپنی بڑی بہن کی جلی ہوئی ہڈیاں تلاش کررہی تھی۔

اس تازہ روسی بربریت کے منظر عام پر آنے کے بعد جنگ کے مخالفین پھر سے سرگرم ہوگئے ہیں۔ ان میں حقوق انسانی کے علمبردار بھی ہیں سیاستداں، ارکان پارلیامنٹ اور صحافی بھی۔ پہلے تو ان لوگوں نے کوشش کی کہ دنیا کے رہنما 9 مئی کی فتح تقریبات میں حصہ نہ لیں۔ اس ضمن میں ان لوگوں نے بل کلنٹن، میجر، جان میجر، اور ہلمٹ کول سے باقاعدہ تقریبات کا بائیکاٹ کرنے کی اپیل بھی کی۔ اب ان لوگوں کی کوشش ہے کہ کم از کم یہ لوگ اپنے ذاتی اثرات استعمال کرکے بورس یلتسن کو جنگ ختم کرکے مسئلے کو گفتگو کے ذریعہ حل کرنے پر مجبور کریں۔

> جب وہ لوگ گاؤں کے قبرستان گئے تو دیکھا کہ بوڑھے بزرگ لوگ اپنے شہیدوں کو بھاری دل سے قبروں میں اتار رہے تھے۔ پاس ہی ایک لاش پڑی تھی جس کا پیٹ گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا۔ ایک دوسری لاش کا سر پس کر رہ گیا تھا۔

لیکن امید نہیں ہے کہ کلنٹن اور یوروپی رہنما بورس یلتسن پر اس طرح کا کوئی اخلاقی دباؤ ڈالیں گے۔ امریکی صدر اس کی بہ نسبت یلتسن کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ ایران کو نیوکلیرری ایکٹر فروخت کرنے کا سودا منسوخ کردیں۔ یوروپی رہنماؤں سے بھی کوئی خاص امید نہیں کی جاسکتی۔ وہ ماضی کی طرح اس بار بھی جنگ ختم کرنے کی اپیل کریں گے جسے یلتسن آسانی سے نظر انداز کردیں گے۔

سچ یہ ہے کہ چیچنیا میں روسی مظالم کے خلاف نہ امریکہ ویوروپ میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور نہ کہیں کسی مسلم ملک میں۔ اگر اس بربریت کے خلاف کہیں آواز اٹھ رہی ہے تو خود روس میں۔ مگر یہ باضمیر انسان جو روسی مظالم کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں، معدودے چند ہیں اور ان کی آواز عالمی سیاست کے نقار خانے میں دب کر رہ گئی ہے۔

بقیہ: امریکہ ایران جنگ کے دہانے پر

لئے جو مذاکرات ہونے والے ہیں ان میں امریکہ سے رعایتیں حاصل کی جاسکیں۔ اگر واقعی جاپان کا مقصد امریکی خواہش کے مطابق ایران پر حقیقی دباؤ ڈالنا ہوتا تو وہ ایران سے پورے طور پر تجارتی تعلقات ختم کرلیتا جو تہران کے لئے فی الواقع دشواریاں پیدا کرسکتا ہے۔

ان دو ممالک کے علاوہ کسی تیسرے ملک نے امریکہ کی اپیل پر لبیک نہیں کہا ہے۔ کناڈا، برطانیہ، جرمنی، فرانس اور دوسرے یورپی ممالک نے ایران کے معاشی بائیکاٹ سے انکار کردیا ہے۔ فرانس کا کہنا ہے کہ ایران کو یکہ وتنہا کرنے کے بجائے عالمی برادری میں پوری طرح لاکر ہی اسکے سخت موقف میں نرمی پیدا کی جاسکتی ہے۔ روس اور چین نے بھی باقاعدہ اعلان کردیا ہے کہ وہ ایران سے اپنے نیوکلیر سودوں کو منسوخ نہیں کریں گے کیوں کہ یہ سودے بین الاقوامی قوانین کے عین مطابق ہیں۔ دیکھا جائے تو امریکہ اپنی خواہش کے مطابق ایران کو بین الاقوامی برادری میں تنہا کرنے کے بجائے خود تنہا ہو کر رہ گیا ہے۔

خود امریکہ میں بھی صدر بل کلنٹن کے اعلان مقاطعہ (بائیکاٹ) کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ یہود نواز اخباروں نے بلاشبہ صدر کے اقدام کی متوقع طور پر حمایت کی ہے مگر آزاد اخباروں نے کھل کر لکھا ہے کہ اس سے صرف امریکہ کا نقصان ہوگا۔ ان اخباروں کو بھی ایران سے کوئی ہمدردی نہیں ہے مگر ان کا خیال ہے کہ محض امریکی بائیکاٹ سے ایران کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا بلکہ الٹا امریکہ کا ہی معاشی نقصان ہوگا۔ بہت سے لوگوں نے بجا طور پر اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ صدر کلنٹن کے اس اقدام سے ہزاروں امریکی بے روزگار ہو جائیں گے اور عام آدمی کو کچھ عرصے کے لئے پیٹرول کی قیمت کچھ مزید ادا کرنی پڑے گی۔ مختصر یہ کہ صدر امریکہ کے ایرانی بائیکاٹ سے امریکہ و اسرائیل کے یہودیوں کے علاوہ شاید ہی کسی کو خوشی ہوئی ہو۔ ایران کی معاشی صحت پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑا ہے الٹا خود امریکہ کا معاشی نقصان ہوا ہے۔ اس روشنی میں دیکھا جائے تو امریکی صدر کا ایران کے خلاف حالیہ اقدام ان کی طویل الدتی انتخابی حکمت عملی کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس اقدام کا کوئی اور مفہوم نکلتا نظر نہیں آتا۔

امریکہ اور ایران جنگ کے دہانے پر

ایران کو یکہ و تنہا کرنے کی کوشش میں امریکہ خود اکیلا پڑ گیا

یکم مئی کو یہودیوں کی عالمی کانگریس کو ایک ڈنر پر خطاب کرتے ہوئے بل کلنٹن نے یہ اعلان کیا کہ وہ اس ہفتے کے آخر تک ایران سے مکمل طور پر تجارتی و معاشی تعلقات ختم کرلیں گے۔ واضح رہے کہ اس سے قبل صدر امریکہ نے ایک امریکی تیل کمپنی کونوکو Conoco کا تہران سے ایک بلین ڈالر والا معاہدہ کالعدم کردیا تھا جس کے مطابق اسے ایران میں تیل کے نئے کنووں کی تلاش کرنی تھی۔

ایران کے خلاف تجارتی و معاشی پابندی عائد کرنے کے پیچھے امریکہ کی یہ دلیل ہے کہ یہ ملک دہشت گردوں کا حامی ہے اور دنیا بھر میں دہشت گردی کو فروغ دینے میں مالی مدد دیتا ہے۔ خاص طور سے امریکہ کو یہ شکایت ہے کہ ایران مغربی ایشیا میں دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث اور امریکہ نواز حکومتوں کو کمزور کرنے میں مصروف ہے۔

جب تک یہ اخبار آپ کے ہاتھوں میں ہوگا اس وقت تک امریکی صدر ایک حکم نامے پر دستخط کرچکے ہوں گے جس کے بعد امریکی کمپنیاں ایران سے کسی قسم کی تجارت نہیں کر سکیں گی۔ سر دست امریکہ و ایران کے درمیان 4 بلین ڈالر سے زیادہ کی تجارت ہوتی تھی جو امریکہ کے مفاد میں تھی۔ زیادہ تر امریکی تیل کمپنیاں امریکہ سے باہر واقع اپنے آفسوں کے توسط سے ایرانی تیل خرید کر غیر امریکی بازاروں میں فروخت کر کے بھاری نفع کماتی تھیں۔ اسی طرح بعض کمپنیاں ایران کو گیہوں اور بعض دوسری اشیاء فروخت کرتی تھیں، اب یہ دونوں ہی قسم کی تجارت ختم ہو جائے گی۔

ایران کی وزارت خارجہ نے امریکی صدر کے اعلان کے بعد رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے نقصان صرف امریکہ کا ہوگا کیوں کہ دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کا توازن امریکہ کے حق میں تھا۔ وزارت خارجہ کے بیان میں یہ بھی کہا گیا کہ مقابلے کی اس دنیا میں دوسرے گاہک ڈھونڈ لینا ایران کے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ ایران نے یہ بھی کہا کہ صدر کلنٹن کا بیان امریکہ میں یہودی لابی کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ در اصل صدر یہودیوں کے ووٹوں پر بھی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔

ایران کی افواج کے سربراہ نے اپنی فوجوں کو امریکہ سے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ ایران کے خلاف حملہ کر سکتا ہے۔ گذشتہ کئی ماہ سے ایران میں یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ خلیج میں امریکی افواج کی موجودگی سے اس ملک کو خطرہ ہے مگر کسی بڑے عہدے پر فائز ذمہ دار افسر کا یہ پہلا بیان ہے جو اس ضمن میں دیا گیا ہے۔

ایران کی افواج کے سربراہ نے اپنی فوجوں کو امریکہ سے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ ایران کے خلاف حملہ کر سکتا ہے۔ گذشتہ کئی ماہ سے ایران میں یہ خدشہ ظاہر کیا جاتا رہا ہے کہ خلیج میں امریکی افواج کی موجودگی سے اس ملک کو خطرہ ہے مگر کسی بڑے عہدے دار افسر کا یہ پہلا بیان ہے جو اس ضمن میں دیا گیا ہے۔

امریکی صدر کے اعلان کے بعد امریکی افسروں نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ وہ دنیا کے دوسرے ملکوں خصوصاً اپنے حلیف یورپی ممالک کو بھی ایران کے خلاف معاشی پابندیاں عائد کرنے پر راضی کرلیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ کی ایران سے تجارت کی وجہ سے ان کے لئے اپنے حلیفوں کو ایران کے خلاف سخت موقف اختیار کرنے پر آمادہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے۔ ان افسروں کو یہ امید بھی ہے کہ امریکہ اب روس اور چین کو بھی اس بات پر آمادہ کرلے گا کہ ایران کو نیوکلیر ری ایکٹر فروخت نہ کریں کیوں کہ ان کے بقول ایران ایٹمی ہتھیار بنانے کا خفیہ پروگرام رکھتا ہے جو ان کی رائے میں نہ صرف مغربی ایشیا کے لئے بلکہ پوری دنیا کے امن کے لئے خطرناک ہے۔ خود امریکی صدر بل کلنٹن نے عالمی یہودی کانگریس سے اپنے خطاب میں کہا کہ وہ 9 اور 10 مئی کو ماسکو میں بورس یلتسن سے اپنی ملاقات کے دوران انہیں ایران سے نیوکلیر سودا منسوخ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ابھی تک امریکی اقدام کی صرف اسرائیل نے کھل کر حمایت کی ہے جو بالکل توقع کے مطابق ہے۔ جاپان نے بھی ایران کو اس ایک بلین ڈالر قرضہ کی اگلی قسط ملتوی کردی ہے جو وہ ملک میں ایک ڈیم کی تعمیر کے لئے دے رہا ہے۔ لیکن مبصرین کا خیال ہے کہ یہ ایران کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے لئے کم اور امریکہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے زیادہ ہے تاکہ امریکہ و جاپان کے درمیان دو طرفہ تجارت سے متعلق باہمی اختلاف دور کرنے کے

باقی صفحہ ۲ پر

قاہرہ میں بین الاقوامی دہشت گردی کو روکنے کے موضوع پر عالمی کانفرنس

پہلے یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد کون ہے؟

2 مئی کو قاہرہ میں جرائم کے موضوع پر ایک دس روزہ کانفرنس کا آغاز ہوا جس میں 136 ممالک کے تقریباً دو ہزار نمائندوں اور صحافیوں نے شرکت کی۔ کانفرنس کا موضوع تھا بین الاقوامی جرائم اور دہشت گردی کو کس طرح روکا جاسکتا ہے۔

کانفرنس کے آغاز ہی میں مصر اور یورپی ممالک کے درمیان سیاسی پناہ کے مسئلے پر شدید اختلافات پیدا ہوگئے۔ مصر کا کہنا ہے کہ دہشت گرد صرف دہشت گرد ہے اور اس کی دہشت گردی کو نہ تو سیاست سے جوڑ کر اسے سیاسی پناہ دینی چاہئے اور نہ اس سے کسی قسم کی ہمدردی ہونی چاہئے۔ اسی بنیاد پر مصر کا مطالبہ ہے کہ مجرموں کے ایک ملک سے دوسرے ملک کے حوالے کرنے کے قانون میں نرمی پیدا کی جائے۔

مصر دراصل گذشتہ تین سال سے اسلام پسندوں کے خلاف جنگ چھیڑے ہوئے ہے۔ بے شمار لوگ پولیس کی گولی کا شکار بن گئے ہیں۔ کتنوں کو غیر منصفانہ طریقے سے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا ہے اور بہتوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھایا جاچکا ہے۔ حقوق انسانی کی عالمی تنظیموں نے مصر کے ان غیر انسانی اقدامات کی مذمت کی ہے مگر مصر کی صحت پر اس کا نہ صرف یہ کہ کوئی اثر نہیں پڑا ہے بلکہ وہ الٹا یورپی ملکوں پر الزام عائد کر رہا ہے کہ انہوں نے دہشت گردوں کو سیاسی پناہ دے رکھی ہے۔

مصر دراصل گذشتہ تین سال سے اسلام پسندوں کے خلاف جنگ چھیڑے ہوئے ہے۔ بے شمار لوگ پولیس کی گولی کا شکار بن گئے ہیں۔ کتنوں کو غیر منصفانہ طریقے سے سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا ہے اور بہتوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھایا جاچکا ہے۔

مگر بعض ملکوں خاص طور سے یورپی ممالک کا کہنا ہے کہ مصر کا نقطہ نظر اور طرز فکر دونوں ناقص ہیں۔ وہ مصر کے اس مطالبے کو بھی رد کرتے ہیں کہ اگر کوئی ملک اپنے کسی شہری کو مجرم یا دہشت گرد قرار دیتا ہے تو اسے دوسرا ملک سیاسی پناہ نہ دے۔ یورپی ممالک کا کہنا ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو تیسری دنیا کے بہت سے ممالک سے آزادی اظہار رائے کا جنازہ نکل جائے گا۔ مصر کے مطالبے پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے یورپی یونین کے حالیہ صدر فرانس کے نمائندے نے کہا کہ "حوالگی" یا Extradition ایک نازک سیاسی مسئلہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پہلے ہمیں دہشت گردی کی تعریف کا تعین کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے کسی کا قتل کیا ہے تو بلاشبہ وہ مجرم ہے۔ لیکن کسی پر محض دہشت گردی کا الزام یا کسی دہشت گردانہ سرگرمی میں تعاون کا الزام بعض دوسرے ممالک میں محض اختلاف رائے تصور کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بعض ملکوں کے دہشت گرد دوسرے ملکوں میں مجاہدین آزادی تصور کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی رائے میں اس نازک مسئلے پر جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں لیا جاسکتا۔

بعض دوسرے یورپی ممالک کا کہنا ہے کہ ان کے یہاں سیاسی پناہ دینے کی روایت بہت پرانی ہے جو آسانی سے ختم نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً ڈنمارک کسی ایسے شخص کی حوالگی کے خلاف ہے جسے اس کے ملک میں پھانسی کی سزا سنائی گئی ہو۔ اسی بنیاد پر اس نے مصر کے طلعت فواد قاسم کو سیاسی پناہ دے دی ہے کیونکہ مصری عدالت نے 1992 میں اسے اس کی عدم موجودگی میں پھانسی کی سزا سنائی تھی۔

کانفرنس میں جرائم کے روکنے کے سلسلے میں صحافت کے رول پر بھی بحث ہوئی۔ اس مباحثے کے دوران صحافیوں اور پولیس اور جرائم کے ماہرین کے درمیان زبردست اختلاف دیکھنے کو ملا۔ صحافیوں نے الزام لگایا کہ اگر کوئی مجرم آسانی سے ایک ملک سے دوسرے ملک آتا جاتا ہے تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض پولیس افسران کا اسے بھرپور تعاون حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جرائم کے ماہرین اور پولیس نے صحافیوں پر الزام لگایا کہ ان کی سنسنی خیزی کی عادت سے ان کے تفتیشی کاموں میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بعض صحافی شہادتوں کو اس انداز سے تشہیر کرتے ہیں کہ اس سے مجرموں کو اپنے جرائم کو چھپانے یا فرار ہونے میں مدد ملتی ہے۔ ان الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ تادم تحریر (4 مئی) جاری تھا۔ کانفرنس بالآخر کس نتیجے پر پہونچے گی ابھی کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن اختلافات کی روشنی میں اس کے نتیجے کے بارے میں کچھ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔

غازہ پٹی میں پی ایل او حکومت کے ایک سال فلسطینیوں نے کیا کھویا کیا پایا؟

اگلا سال "عرفات حکومت" اور عوام کے لئے مزید سخت اور مشکل ہوگا

29 اپریل کو غازہ پٹی میں پی ایل او "حکومت" کے ایک سال مکمل ہوگئے۔ محدود خود مختاری کے ایک سال میں فلسطینیوں کو غالباً یہ ملا ہے کہ غازہ پٹی سے اسرائیلی فوجی واپس چلے گئے ہیں اور ان کی جگہ فلسطینی پولس نے لے لی ہے اور کم و بیش اب وہی کام کررہی ہے جو پہلے اسرائیلی فوجی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بقیہ پورے سال جانباز شہیدی دستے اسرائیل پر حملے کرتے رہے اور خود پی ایل او اور اسرائیل کے مذاکرات کرنے والے مختلف قسم کے اختلافات، تنازعات، انتخاب میں تاخیر اور مقبوضہ علاقوں میں یہودی نوآبادی کے قیام جیسے مسائل میں الجھے رہے۔ نیا سال اس سے بھی سخت نظر آتا ہے۔ یروشلم، یہودی نوآبادیاں، انتخاب کے وقت مغربی کنارے پر اسرائیلی فوجوں کی موجودگی یا عدم موجودگی اور فلسطینی قیدیوں کی رہائی وغیرہ ایسے مسائل ہیں جو فلسطینی و اسرائیلی قیادت کو آئندہ الجھاتے رہیں گے۔

یوں تو اوسلو میں پی ایل او اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ ستمبر 1992 ہی میں ہوگیا تھا مگر محدود خود مختاری پر عمل 29 اپریل 1994 ہی کو ہوسکا۔ پہلے ہزاروں کی تعداد میں فلسطینی پولس اریحا اور غازہ میں آئی جن کا شاندار استقبال کیا گیا اور پھر یکم مئی کو خود یاسر عرفات ایک ہیرو کی طرح اریحا پہونچے 18 مئی کو 27 سال کے غاصبانہ قبضہ کے بعد اسرائیلی فوجیں غازہ سے نکل گئیں جس پر انہوں نے چین کی سانس لی کیونکہ غازہ پٹی پر حکومت کرنا ان کے لئے انتہائی مشکل ہوگیا تھا۔

یاسر عرفات یکم مئی کو خالی ہاتھ اریحا پہونچے۔ ان کا خزانہ خالی تھا اور جن ممالک نے امداد کا وعدہ کیا تھا انہوں نے اسے پورا کرنے سے قبل مطالبہ کیا اور یہ جاننا چاہا کہ یاسر عرفات ان کی رقم کس طرح صرف کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس سے امدادی رقم کے ملنے میں تاخیر ہوئی اور اس طرح یاسر عرفات کے مسائل مزید بڑھتے گئے

پی ایل او اور اسرائیل کے مابین امن معاہدہ سے بہت سے فلسطینی خاص طور سے حماس اور اسلامی جہاد سے تعلق رکھنے والے ناخوش ہیں اور انہوں نے یہ عہد کررکھا ہے کہ اس نام نہاد امن معاہدے کو ناکام بنادیں گے۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے اسرائیل پر سرفروشانہ حملے کئے جن میں 77 اسرائیلی ہلاک ہوگئے۔ خود اسرائیلی فوج کی گولیوں سے کل 60 فلسطینی ہلاک ہوئے۔

اسرائیل کے دباؤ کے تحت یاسر عرفات کی پولس اب وہی کام کررہی ہے جو پہلے اسرائیلی فوجی کرتے تھے یہ پولیس اب حماس و اسلامی جہاد سے تعلق رکھنے والے اور یاسر عرفات کے دوسرے سیاسی مخالفین کی اندھا دھند گرفتاریاں کررہی ہے اور نام نہاد فوجی عدالت میں انتہائی مشکوک مقدمات چلاکر لوگوں کو جیلوں میں بھرا جارہا ہے۔ ایک 14 سالہ لڑکے کو بھی ہتھیار اور گولہ بارود رکھنے کے جرم میں جیل کی سزا ہوچکی ہے۔ حقوق انسانی کے علمبرداروں نے اس پر آواز اٹھائی ہے مگر آمرانہ ذہنیت کے حامل یاسر عرفات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

> اسرائیل کے دباؤ کے تحت یاسر عرفات کی پولس اب وہی کام کررہی ہے جو پہلے اسرائیلی فوجی کرتے تھے یہ پولیس اب حماس واسلامی جہاد سے تعلق رکھنے والے اور یاسر عرفات کے دوسرے سیاسی مخالفین کی اندھا دھند گرفتاریاں کررہی ہے۔ اور نام نہاد فوجی عدالت میں انتہائی مشکوک مقدمات چلاکر لوگوں کو جیلوں میں بھرا جارہا ہے۔

ایک اسرائیلی وزیر نے یاسر عرفات کی ستائش کی ہے خاص طور سے اس کارروائی کی جو انہوں نے حال ہی میں حماس اور اسلامی جہاد کے خلاف کی ہے۔ مگر پی ایل او مذاکرات ٹیم کی سابق ممبر اور ترجمان حنان اشراوی نے محدود خود مختاری حکومت کی اس کی ناکامیوں کے لئے تنقید کی ہے۔ انہوں نے موجودہ مسائل کے لئے پی ایل او اور اسرائیلی قیادت دونوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ ان کے بقول یاسر عرفات آمرانہ انداز سے حکومت کررہے ہیں اور ان کے پاس دور اندیشی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جب کہ اسرائیلی قیادت مستقل وعدہ خلافی کرکے خود امن معاہدہ کی جڑوں پر تیشہ چلارہی ہے۔

یاسر عرفات اپنی کامیابی پر مہر تصدیق ثبت کررہے ہیں یا.........؟

اسرائیل میں فلسطینیوں کے بجائے دوسرے ممالک کے مزدور درآمد کئے جارہے ہیں

رابن حکومت اسرائیل اور فلسطینی عوام کے مابین مکمل قطع تعلق کے حق میں

اوسلو معاہدے کے فوراً بعد سے فلسطینی مجاہدین کے ایک طبقہ نے اسرائیل پر اپنے حملوں میں شدت پیدا کردی تھی۔ بہت سے پرعزم نوجوانوں نے خود کو بارود سے لپیٹ کر اسرائیلی فوجی وغیر فوجی ٹھکانوں پر شہیدی حملے کئے جس سے درجنوں اسرائیلی ہلاک ہوگئے جن میں فوجی بھی شامل تھے۔ ایسے حملوں کے بعد اسرائیل ہمیشہ غازہ پٹی کو سیل کرکے فلسطینی مزدوروں کو اسرائیل میں داخل ہونے سے روک دیتا تھا جس سے نہ صرف ان مزدوروں کو بلکہ ان کے مالکان کو بھی کافی نقصان پہونچتا تھا۔ حالانکہ شہیدی حملہ کرنے والے فلسطینی پرمٹ لے کر اسرائیل میں داخل نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود اسرائیلی نزلہ ہمیشہ پرمٹ لے کر اسرائیل میں کام کرنے والے فلسطینیوں پر گرتا تھا۔

شہیدی حملوں سے گھبراکر اسرائیل نے ایک نئی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا جس کا مقصد فلسطینی مزدوروں پر اسرائیلی معاشیات کے انحصار کو کم کرنا تھا۔ گذشتہ ایک سال میں اسرائیلی حکومت نے ہزاروں مزدور تھائی لینڈ اور رومانیہ سے درآمد کرلیے ہیں۔ حکومت کی پالیسی ہے کہ ان ممالک سے مزید کام کرنے والوں کو لاکر فلسطینیوں پر سے انحصار مکمل طور سے ختم کردیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رابن حکومت اسرائیل اور فلسطینیوں کے مابین مکمل قطع تعلق کی پالیسی پر گامزن ہے۔ گویا اوسلو امن معاہدے سے دونوں ملکوں کے درمیان عوامی تعلق استوار ہونے کے بجائے کمزور پڑا ہے۔

1994 میں غیر فلسطینی مزدور بمشکل 6 ہزار تھے مگر آج ان کی تعداد 72 ہزار سے زائد ہے۔ ان میں سے کچھ تو تھائی لینڈ سے لائے گئے ہیں جو اسرائیلی کھیتوں پر کام کرتے ہیں۔ اچھی خاصی تعداد میں رومانیہ سے آئے مزدور بھی ہیں جو بالعموم تعمیرات سے متعلق کاموں میں مصروف ہیں۔ ان مزدوروں کے آجانے سے اب زراعت و تعمیرات کے دونوں اہم شعبے غازہ پٹی کی ناکہ بندی سے بند نہیں ہوتے۔ دراصل اسرائیلی حکومت کا اندازہ ہے کہ اب اسے بیس سے پچیس ہزار کے قریب فلسطینیوں کو ہی اسرائیل میں کام کرنے کے لئے پرمٹ دینی ہوگی۔ سرکاری پالیسی بھی ہے کہ مزید مزدور دوسرے ممالک سے لاکر فلسطینیوں پر انحصار مکمل طور سے ختم کردیا جائے۔ واضح رہے کہ رومانیوں اور تھائیوں کے آنے سے قبل ایک لاکھ 20 ہزار فلسطینی اسرائیل میں کام کرکے اپنے خاندان کا پیٹ پالتے تھے۔

اس نئی صورتحال سے اسرائیلی وزیر اعظم کافی خوش ہیں سردست 26750 فلسطینیوں کو ورک پرمٹ ملا ہوا ہے جو ظاہر ہے آئندہ دنوں میں مزید کم ہوگی۔ رابن کا خیال ہے کہ اس سے اسرائیل کو بمبار مجاہدین سے لاحق خطرات میں کمی ہوگی۔

زراعت اور تعمیرات دو ایسے شعبے ہیں جن میں اسرائیل کو سستے نوکروں کی ضرورت ہے۔ آج اسرائیل کے تعمیراتی سیکٹر میں کل تقریباً 76 ہزار مزدور کام کررہے ہیں جن میں سے 50 ہزار غیر فلسطینی اور صرف 16 ہزار فلسطینی ہیں۔ اسی طرح 13 ہزار کے قریب تھائی اسرائیلی کھیتوں پر کام کررہے ہیں جب کہ اس کے مقابلے میں فلسطینی مزدوروں کی تعداد گھٹ کر 5 ہزار 4 سو رہ گئی ہے۔ ایک سال قبل یہ سارے مزدور صرف فلسطینی تھے۔

اس تبدیل شدہ صورتحال میں یاسر عرفات کی "حکومت" کے لئے مشکلات مزید بڑھ جائیں گی۔ ان کی آمد کے وقت بھی غازہ پٹی میں خاص طور سے بے روزگاری بہت زیادہ تھی۔ اب ہزاروں لوگوں کو اسرائیل میں یومیہ بنیاد پر ملنے والا کام بھی ملنا بند ہوجائے گا تو بے روزگاروں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بے روزگار پھر اپنی ہی نام نہاد "حکومت" کے لئے مشکلات پیدا کریں گے شاید اب بھی وقت ہے کہ یاسر عرفات اپنے اس اقدام کی حماقت کو تسلیم کرلیں جو انہوں نے اوسلو میں تقریباً دو سال قبل اٹھایا تھا۔ مگر شاید اب ان کے لئے ناکامی کے علاوہ سارے دروازے بند ہوگئے ہیں۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اسرائیل فلسطینی مزدوروں سے نجات پاکر بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اس پر حملہ کرنے والے نہ تو پہلے پرمٹ حاصل کرکے یہ کام کرتے تھے اور نہ آئندہ اس مقصد کے لئے انہیں کسی پرمٹ کی ضرورت ہوگی۔

> شہیدی حملوں سے گھبراکر اسرائیل نے ایک نئی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا جس کا مقصد فلسطینی مزدوروں پر اسرائیلی معاشیات کے انحصار کو کم کرنا تھا۔ گذشتہ ایک سال میں اسرائیلی حکومت نے ہزاروں مزدور تھائی لینڈ اور رومانیہ سے درآمد کرلیے ہیں۔

وزیر اعظم اسحاق رابن کی نئی پالیسی

یہی حال رہا تو یروشلم جلد ہی یہودی شہر بن جائے گا

فلسطینیوں کے پرانے مکانات گرائے اور یہودیوں کے نئے مکانات بنائے جارہے ہیں

اسرائیلی حکومت نے یروشلم میں 2 ہزار پانچ سو نئے مکانات بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ اس مقصد کے لئے 53 ہیکٹیر زمین پہلے ہی حاصل کرلی گئی ہے جس میں سے کم از کم تیس فیصد زمین عربوں کی ہے۔ یروشلم کے یہودی میئر ایہود انمرٹ کا کہنا ہے کہ نئے مکانات کی تعمیر اس لئے ضروری ہے کہ یروشلم میں مکانات کی سخت کمی ہے۔ یہ مکانات ان یہودیوں کے لئے بنائے جارہے ہیں

اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق یروشلم ایک مقبوضہ علاقہ ہے اور یہاں یہودیوں کو آباد کرنا غیر قانونی ہے۔ اسرائیل نے ہمیشہ اس قرارداد کی خلاف ورزی کی ہے۔ مگر اس کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

اگرچہ پی ایل او نے دھمکی دی ہے کہ اگر اسرائیل نے یروشلم میں نئے مکانات بنائے تو وہ مذاکرات سے علیحدہ ہوجائے گا مگر اس کا اسرائیل پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ مزید 6 ہزار پانچ سو مکانات بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

یروشلم کا کل رقبہ سات ہزار ہیکٹر زمین پر مشتمل ہے۔ 1947ء سے اسرائیل نے اس میں سے پہلے ہی 2 ہزار تین ہیکٹر زمین ضبط کرلی ہے۔ جس میں سے کل 80 فیصد سے زائد عربوں کی تھی۔ اس ضبط شدہ زمین پر اب تک 35 ہزار مکانات یہودیوں کے لئے بنائے جاچکے ہیں۔ شہر کے میئر کا کہنا ہے کہ 440 ہیکٹر زمین پر مزید ضبط کی جائے گی جہاں یہودیوں کے لئے مکانات تعمیر ہوں گے۔ اس نے مزید کہا کہ عربوں کے لئے ان کی اپنی زمین پر 8830 مکانات بنائے جائیں گے۔ مگر یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ معاملہ ہمیشہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ بالعموم فلسطینیوں کو اپنی زمین پر بھی گھر بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور اگر کوئی بغیر اجازت کے بنالیتا ہے تو اسرائیل اسے غیر قانونی قرار دے کر بلڈوزر سے گرادیتے ہیں۔

یکم مئی کو یہودیوں کو ڈھائی ہزار مکانات بنانے کی اجازت دینے سے چند روز قبل یعنی 27 اپریل کو مشرقی یروشلم میں واقع سعدہ شقیرات کا گھر بلڈوزر سے اسرائیلیوں نے زمین بوس کردیا۔ یہ گھر شقیرات نے اپنی زمین پر بنایا تھا اور 17 سال سے قائم تھا۔ پہلے انہوں نے گھر بنانے کی حکومت سے اجازت مانگی مگر ظاہر ہے اس میں انہیں ناکامی ہوئی۔ پھر جب بلا اجازت انہوں نے بنایا تو گذشتہ دنوں 17 برس بعد اسے ڈھا دیا گیا۔ اب شقیرات ان کے شوہر اور چار بچے ایک ٹوٹی ہوئی بس میں رہتے ہیں جو ان کے ایک دوست نے فراہم کی ہے۔ اس کے علاوہ ریڈ کراس نے ایک چھوٹا سا ٹینٹ بھی فراہم کیا ہے۔ شقیرات بجا طور پر کہتی ہیں کہ ان کا گھر ڈھا کر اسرائیلیوں نے دوسرے تمام عربوں کو ایک پیغام دیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہاں صرف یہودیوں کے مکان بن سکتے ہیں عربوں کے نہیں۔ واضح رہے کہ پہلے ہی یہودی عربوں سے تین گنا زیادہ ہوچکے ہیں۔ عربوں کی آبادی اس وقت ایک لاکھ پچاس ہزار اور یہودیوں کی ساڑھے چار لاکھ ہے جن میں سے اکثریت باہر سے آکر یہاں آباد ہوئی ہے۔ عربوں کو یہاں آکر آباد ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

شقیرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہودیوں کی طرح عرب بھی ہاؤس ٹیکس وغیرہ دیتے ہیں مگر شہر کے عرب علاقوں کی صفائی پر توجہ نہیں دی جاتی۔ سیوریج خراب ہیں اور جو چیز جہاں گر جاتی ہے وہیں پڑی رہتی ہے۔ اپنا گھر تباہ ہونے کے بعد شقیرات اور ان کے خاندان کی زندگی کچھ یوں بسر ہوتی ہے بچے بس میں پڑھتے ہیں اور سوتے ہیں۔ خود شقیرات خیمے میں کھانا وغیرہ پکاتی ہیں۔ گویا اپنی ہی زمین پر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرنے پر وہ اور ان کے اہل خاندان مجبور ہیں۔

جناب العطراش بھی مشرقی یروشلم کے باشندے ہیں۔ حال ہی میں انہیں حکومت نے وارننگ دی ہے کہ انہوں نے دو کمرے بغیر اجازت کے بنالیے ہیں۔ العطراش کا کہنا ہے کہ اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست مدت سے آفس میں پڑی ہوئی ہے مگر اس پر کوئی کارروائی نہیں ہورہی ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے 2 نئے شادی شدہ بچوں کے لئے یہ دونوں کمرے بنوائے ہیں۔ مگر اب وہ بھی اس انتظار میں ہیں کہ کس روز اسرائیلی بلڈوزر آکر ان کا بھی گھرا دیتے ہیں۔ العطراش ہی کی طرح بہت سے عرب یروشلم میں ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب ان کا گھر گرانے میونسپل افسران پولیس اور بلڈوزر لے آکر آجائیں۔

اسرائیل کی دوغلی پالیسی سب پر عیاں ہے مگر

اسرائیلی مظالم کے خلاف مسجد اقصیٰ کے سامنے فلسطینی خواتین مظاہرہ کرتے ہوئے

تباہ شدہ مکان کے ملبے پر بیٹھا کر یہ فلسطینی بچہ پوچھ رہا ہے کہ اب میں کہاں رہوں گا

اس کے باوجود اسرائیلی وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ عرب اپنی زمینوں پر گھر بنانا پسند نہیں کرتے۔ دراصل یہ اعلان یا عربوں کے لئے 8 ہزار سے زائد مکانات تعمیر کرنے کی بات اس لئے کی جارہی ہے تا کہ زمین ہتھیانے کی نئی یہودی کوشش پر متوقع عرب تنقید کا مقابلہ کیا جاسکے۔ حالانکہ اسرائیل کو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ آخر عرب زبانی تنقید کے علاوہ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

جنہوں نے حال میں شادیاں کی ہیں۔ واضح رہے کہ اسرائیل نے یروشلم پر 1947ء کی جنگ میں قبضہ کرلیا تھا۔ اسرائیل نے اسے اپنا دارالحکومت بنا رکھا ہے جب کہ پی ایل او اسے اپنی مستقبل کی فلسطینی ریاست کا دارالحکومت بنانا چاہتا ہے۔ اسرائیل۔ پی ایل او امن معاہدہ کے مطابق یروشلم کی حیثیت کے بارے میں گفتگو ابھی ایک سال بعد ہونی ہے۔ مگر اس وقت کے آنے سے قبل ہی اسرائیل اسے پورے طور پر یہودی شہر بنا دینا چاہتا ہے۔

اردن میں نسلی اور قبائلی اختلافات خوں ریز شکل اختیار کرسکتے ہیں

گذشتہ دنوں یونیورسٹی آف جارڈن یا اردن یونیورسٹی میں طلبہ کے دو گروپوں کے درمیان تصادم میں 20 سے زائد افراد بری طرح زخمی ہوگئے۔ اس تنازعہ اور تشدد کے بعد اردن میں ایک بار پھر یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ فی الواقع اصل اردنی ہے کون؟

جھگڑا اردن یونیورسٹی میں ایک بنچ کو لے کر ہوا جس پر عام طور سے کاکیشیائی نسل کے طلبہ بیٹھتے تھے۔ ایک دن اس پر ایک عرب طالبعلم بیٹھ گیا۔ جب کاکیشیائی طلبہ آئے تو انہوں نے عرب طالب علم سے بنچ خالی کرنے کو کہا جس پر اس نے کہا کہ "یہ میرا ملک ہے اور تم لوگ یہاں صرف مہمان ہو" اس پر تو تو میں میں شروع ہوئی اور نوبت مار پیٹ تک پہونچ گئی۔ اور اس کے بعد پورے کیمپس میں تشدد پھیل گیا۔ اس تشدد کے بعد یہ سوال شدت سے ابھر کر سامنے آیا ہے کہ اس اردنی سماج کا مستقبل کیا ہے جسے برطانیہ نے جنگ عظیم اول کے بعد ایک غیر زرخیز قطعہ زمین پر قائم کیا تھا۔

کاکیشیائی نسل کے لوگ دراصل عثمانی سلطنت کے دور میں روس سے آئے تھے۔ دراصل یہ لوگ عثمانی سلطنت کے خلاف روسی افواج کے اقدام کے بعد وہاں سے بھاگ کر موجودہ اردن میں پناہ لینے آئے تھے۔ جو اس وقت عثمانی ترکوں کے زیر اقتدار تھا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اردن کے قیام سے قبل انہوں نے ہی عمان اور ایسے کئی دوسرے قصبات قائم کئے تھے۔

> اگر اصل اردنی سے مراد وہ عرب ہیں جو کاکیشیا سے آئے ہوئے لوگوں سے اور غازہ ومغربی کنارے کے فلسطینیوں کی آمد سے قبل موجودہ اردن میں آباد ہیں تو پھر اس تعریف کے مطابق خود شاہ حسین اور ان کا خاندان بھی اصل اردنی نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج بھی وہ لوگ جو خود کو اصلی اردنی کہہ سکیں، اقلیت میں ہیں، اکثریت فلسطینیوں کی ہے جنہوں نے 1948ء میں اسرائیل کے قیام اور 1947ء میں غازہ اور مغربی کنارہ پر اسرائیلی قبضہ کے بعد بھاگ کر یہاں پناہ لی تھی۔

اگر اصل اردنی سے مراد وہ عرب ہیں جو کاکیشیا سے آئے ہوئے لوگوں سے اور غازہ ومغربی کنارے کے فلسطینیوں کی آمد سے قبل موجودہ اردن میں آباد ہیں تو پھر اس تعریف کے مطابق خود شاہ حسین اور ان کا خاندان بھی اصل اردنی نہیں ہیں۔ کیوں کہ بادشاہ کا خاندان تو یہاں جنگ عظیم اول کے درمیان آیا اور باقاعدہ ہاشمی بادشاہت کے قیام کا عمل تو 1923ء میں شروع ہوا جب برطانیہ نے شریف حسین کے بیٹے عبداللہ کو اس غیر زرخیز علاقے کا حکمراں بنادیا۔ شاہ حسین کی جڑ بھی اس طرح اردن کے بجائے حجاز میں پیوست ہے۔

اردن کا سماج آج بھی ایک طرح سے قبائلی ہے۔ پہلے کی طرح قبائلی تنازعے آج بھی پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ شاہ کی ذات سے پورا سماج جڑا ہوا ہے مگر نسلی وقبائلی اختلافات اپنی جگہ موجود ہیں۔ اکثر شاہ حسین قبائلی لباس میں قبائلی سرداروں سے مل کر ان کے مسائل کو سنتے اور حل کرتے ہیں۔ دراصل قبائلیوں ہی میں انہیں مقبولیت حاصل ہے۔ ورنہ شہروں میں جہاں فلسطینیوں کی اکثریت ہے۔ اخوان المسلمین کا اثر زیادہ ہے جو شاہ حسین کی مغرب نواز پالیسی کی مخالف ہے۔ لیکن چونکہ آڑے وقت میں شاہ نے ان کی مدد کی تھی اس لئے ان کی احسان مند بھی ہے۔

قبائلی سرداروں کے علاوہ شاہ حسین کبھی کبھار کمانڈر انچیف کی وردی میں عوام کے سامنے آتے ہیں۔ دراصل فوج ہی شاہ کی سب سے زیادہ وفادار ہے اور اس کی وجہ سے ان کی حکومت بھی قائم ہے۔

اردن یونیورسٹی کے حادثے کے بعد دانشور طبقہ کے ان عناصر نے زور وشور سے اردنی قومیت کی ایک مہم چھیڑ دی ہے جو سماج کی طبقاتی تقسیم کے خلاف اور متحدہ قومیت کے علمبردار ہیں۔ ان لوگوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ سارے عوامل ختم کئے جائیں جن سے اردنی سماج آج بھی ایک قوم بنے ہونے کے باوجود قبائلی ونسلی وفاداریوں میں بٹا ہوا ہے۔ لوگ دراصل خود کو اپنے شہر، قبیلے یا نسل سے وابستہ کرنے میں زیادہ فخر محسوس کرتے ہیں۔ انہیں بنیادوں پر انہیں اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے ملتے اور نوکریاں بھی ملتی ہیں۔

دراصل یہ قبائلی اور نسلی تفریق وتقسیم شاہ حسین کی پالیسی کا ایک حصہ ہے۔ اسی پالیسی کے تحت آج تک ان کے خاندان نے یہاں حکومت کی ہے۔ اگر یہ تقسیم وتفریق ختم ہوجائے تو شاہ کی آمرانہ خاندانی حکومت بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن اس نسلی وقبائلی تفریق وتقسیم کو وہ خطرناک حد تک بھی بڑھنے دینا نہیں چاہتے۔ چنانچہ اردن یونیورسٹی کے حادثے کے بعد خود انہوں نے اور ان کے وزیر شہزادہ زید بن شکر نے بھی بذات خود مداخلت کی اور قبائلی ونسلی سرداروں اور لیڈروں سے مل کر معاملے کو رفع دفع کرادیا۔

یہ پناہ گزیں ہیں یا درانداز؟

مہاراشٹر میں نئی حکومت کے قیام کے بعد ایسا لگتا ہے کہ وہاں صرف بنگلہ دیشی ہی رہتے ہیں اور اگر ان تمام کو وہاں سے بھگایا نہیں گیا تو وہ بمبئی کا تیا پانچا کردیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ بنگلہ دیشی بمبئی میں ضرور ہیں لیکن ان کی آڑ میں بنگالی مسلمانوں کو جس طرح ہراساں کیا جارہا ہے وہ قابل مذمت ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان میں صرف بنگلہ دیش ہی کے نہیں دوسرے کئی ممالک کے بھی شہری رہ رہے ہیں لیکن حکومت انہیں درانداز نہیں مانتی وہ انہیں پناہ گزیں کہتی ہے۔ ابھی حال ہی میں معروف نیوز ایجنسی پی ٹی آئی نے ملک گیر سطح پر ایک سروے کرایا ہے جس میں اعداد وشمار پیش کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ بنگلہ دیش کے علاوہ افغانستان، برما، تبت سری لنکا اور دوسرے ممالک کے کتنے لوگ پناہ گزیں کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔

80 کے دہے میں بہتی پناہ گزینوں کی آڑ میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ جن میں 44 فیصد تعداد مذہبی پیشواؤں اور ننوں پر مشتمل ہے۔ دہلی میں 25 ہزار افغان پناہ گزیں ہیں۔ تری پورہ میں پچاس ہزار چکما قبائلی ہیں۔ تمل ناڈو میں 2 لاکھ سری لنکا کے پناہ گزیں اور دس ہزار برما کے ہیں۔

ان میں سے زیادہ تر اپنے وطن واپس جانا نہیں چاہتے۔ اکثر نے اسے اپنا دوسرا وطن بنالیا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم اسی صورت میں واپس جاسکتے ہیں، جب ان کے ممالک کے حالات بہتر ہوجائیں اور ان کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حالانکہ سیاسی پارٹیاں اس بات سے انکار کرتی ہیں کہ وہ پناہ گزینوں کا سیاسی استحصال کرتی ہیں اور انہیں اپنا ووٹ بینک بناتی ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ سیاسی پارٹیاں انہیں اپنا ووٹ بینک ہی سمجھتی ہیں۔ مغربی بنگال کی حکومت نے پناہ گزینوں کو الگ درجہ دے رکھا ہے۔

بہار میں 4973 بنگلہ دیشی اور برمی پناہ گزیں ہیں ان میں سے اکثر کی باز آبادکاری کردی گئی ہے اور وہ اپنے اپنے ملک واپس جانا نہیں چاہتے۔ وہ اب اس ریاست کے شہری ہیں اور ان کے وجود سے امن وامان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ لیکن دہلی اور بمبئی میں ان لوگوں کے وجود کو بہت بڑا خطرہ مان لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ خوف وہراس کے عالم میں رہ رہے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ خوف وہراس کی یہ زندگی گھر واپس جانے سے بہتر ہے۔ دہلی میں 1991 میں "آپریشن پش بیک" شروع کیا گیا تھا تاکہ پناہ گزینوں کے بڑھتے ریلے کو روکا جاسکے۔ جنوبی تری پورہ کے علاقے میں ایک کیمپ واقع ہے جہاں پچاس ہزار چکما پناہ گزیں رہ رہے ہیں۔ 1986 میں ان لوگوں نے یہاں آنا شروع کیا چٹا گانگ میں ان کے خلاف چلی مہم نے انہیں بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔

> بہار میں 4973 بنگلہ دیشی اور برمی پناہ گزیں ہیں ان میں سے اکثر کی باز آبادکاری کردی گئی ہے اور وہ اپنے ملک واپس جانا نہیں چاہتے۔ وہ اب اس ریاست کے شہری ہیں اور ان کے وجود سے امن وامان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ لیکن دہلی اور بمبئی میں ان لوگوں کے وجود کو بہت بڑا خطرہ مان لیا گیا ہے۔

بمبئی میں بنگالیوں پر کیا گذر رہی ہے

مہاراشٹر میں شیو سینا کی حکومت کے قیام کے بعد مبینہ بنگلہ دیشیوں اور بنگلہ بولنے والے … تیس علاقوں کی شناخت کی ہے جہاں بقول اس کے بنگلہ دیشی رہتے ہیں اور پولس نے اس … ہندوستانیوں کو بھی کس طرح ہراساں کیا جارہا ہے۔ ان سے پیسے کس طرح وصول کئے جار… دی جانے والی مختلف رپورٹوں سے ہوجائے گا۔

"میں چیختا رہا کہ میں ہندوستانی ہوں…

یوں تو بمبئی پولس صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہمیشہ بنگلہ دیشی مسلمانوں کی تاک میں رہتی ہے۔ لیکن انکے گھروں پر چھاپے عام طور پر اتوار کی رات میں پڑتے ہیں۔ بنگالی پورا کے ایک کمرے میں تین دوسرے نوجوانوں کے ساتھ رہنے والا ایک 32 سالہ نوجوان اپنی کہانی یوں بیان کرتا ہے۔ "تقریباً نصف شب کا وقت تھا۔ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آرہی تھی۔ دروازہ کھولا تو پولس اندر گئی۔ ہم سے ہمارے نام پوچھے، ہمارے ساتھ دو ہندو لڑکے بھی تھے۔ ان کا نام سن کر پولس نے انہیں جانے دیا۔ اور مجھے اور میرے گاؤں کے ایک دوسرے نوجوان کمال کو باہر انتظار کررہی ایک پولس گاڑی میں ڈال دیا۔" ان کے علاوہ پولس نے کچھ اور لوگوں کو بھی پکڑا تھا جن میں خواتین اور بچے بھی تھے۔ انہیں بھی اسی پولس گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔ پھر انہیں اسپیشل برانچ آفس لے جایا گیا۔ اسپیشل برانچ والوں کو ہی "غیر ملکیوں" کی شناخت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

> "تقریباً نصف شب کا وقت تھا۔ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آرہی تھی۔ دروازہ کھولا تو پولس اندر گئی۔ ہم سے ہمارے نام پوچھے ہمارے ساتھ دو ہندو لڑکے بھی تھے۔ ان کا نام سن کر پولس نے انہیں جانے دیا۔ اور مجھے اور میرے گاؤں کے ایک دوسرے نوجوان کمال کو باہر انتظار کررہی ایک پولس گاڑی میں ڈال دیا۔"

23 سالہ عزیزل کا کہنا ہے کہ اس گروپ میں سے کچھ لوگوں نے پیسے دیکر خود کو پولس سے چھڑالیا بقیہ پولس حراست ہی میں رہے۔ اگلے دن ان لوگوں کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ جہاں بمشکل اکا دکا سوال کیا گیا۔ پھر انہیں مغربی بنگال لے جاکر ریاستی اتھارٹی کے حوالے کردیا گیا۔ رات میں انہیں ندیا کے کرشنا نگر میں ہند بنگلہ دیش سرحد پر سکیورٹی فورسز کے حوالے کردیا گیا۔ رات میں انہیں ایک انکوائری چوکی پر لے جاکر بنگلہ دیش رائفلس کے حوالے کردیا گیا۔

عزیزل کے مطابق "مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ مجھے کہاں لے جاکر چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں ان لوگوں سے کہتا کہ میں ہندوستانی ہوں مگر میری بات سننے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔" اس گروپ میں کچھ لوگ بنگلہ دیش کے تھے۔ وہ اسے ڈھاکہ لے گئے وہاں چار دن اسے رکھا گیا۔ پانچویں دن، انہیں لوگوں نے جو اس کے ساتھ بنگالی پورا میں رہتے تھے۔ آپس میں چندہ کیا اور اسے ہندوستان واپس بھیج دیا۔ سرحد پار کرنا بہت آسان تھا۔ اور پھر عزیزل سیالدہ کی ٹرین میں بیٹھ کر اپنے گھر گیا اور چند دنوں کے بعد پھر بمبئی واپس آگیا اور بنگالی پورا میں رہنے لگا۔

دو سال قبل عزیزل بیر بھومی کے رامپور ہاٹ سے بمبئی آیا تھا۔ وہ اپنے چھ بھائی بہنوں میں سب سے بڑا ہے۔ اس کے پڑوس کے گاؤں کے کچھ لوگ بمبئی رہتے

حکومت لاکھ مخلص سہی مگر اس کے اقدامات سے فرق…

بنگلہ دیش سے بمبئی آنے والوں پر نگاہ رکھنے اور ان کا ریکارڈ تیار کرنے کے لئے 1982 میں بمبئی پولیس میں ایک اسپیشل سیل بنایا گیا تھا۔ اسی طرح کا ایک سیل پاکستانی شہریوں کی بمبئی آمد پر نگاہ رکھنے کے لئے آزادی کے فوراً بعد ہی بنا دیا گیا تھا۔ سی آئی ڈی کی "اسپیشل برانچ ایک" ایسے شہریوں کی سات دن کا موقع دیتی ہے۔ سات دن میں انہیں اپنی شہریت ثابت کرنی ہوتی ہے، اگر مشتبہ افراد اپنی شہریت ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں بذریعہ ٹرین مغربی بنگال کے ہری داس پور لے جایا جاتا ہے۔ پھر وہاں انہیں بی ایس ایف کے حوالے کردیا جاتا ہے۔ وہاں انہیں اپنی ہندوستانی شہریت ثابت کرنے کا ایک اور موقع دیا جاتا ہے۔ اگر بی ایس ایف والے متعلقہ شخص کی باتوں سے مطمئن ہوجاتے ہیں تو انہیں ہندوستان واپس بھیج دیا جاتا ہے ورنہ انہیں بنگلہ دیش روانہ کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستانی شہریوں کو پنجاب میں اٹاری بھیج دیا جاتا ہے۔

پولیس کے ریکارڈ کے مطابق گذشتہ 13 سالوں میں 5549 بنگلہ دیشیوں کو بمبئی سے بنگلہ دیش بھیجا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں ایسے لوگوں کی بھی خاصی تعداد ہوتی ہے جو ہندوستانی ہوتے ہیں مگر کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکتے۔ پھر بھی پولیس انہیں بنگلہ دیشی ہی مانتی ہے۔

بمبئی کے ڈپٹی کمشنر آف پولیس وی۔ ایل انگلے کہتے ہیں کہ چونکہ بنگلہ دیش سے ہمارے تعلقات خراب نہیں ہیں اس لئے بنگلہ دیشی شہریوں کے لئے رپورٹ لکھانا ضروری نہیں ہے۔ جب سے اسپیشل سیل بنایا گیا ہے، صرف آٹھ بنگلہ دیشی شہریوں نے اپنی رہائشی مدت میں توسیع کی درخواست دی ہے۔ پاکستانیوں کے لئے ایسا کرنا مشکل ہے، کیونکہ یہاں آتے ہی ایرپورٹ پر انہیں پاس پورٹ جمع کرا دینا ہوتا ہے۔ یہاں ٹھہرنے اور رہائشی مدت میں توسیع کی اجازت انہیں "اسپیشل برانچ ایک" سے ہی مل سکتی ہے۔ اور وہیں سے انہیں اپنا پاس پورٹ بھی واپس مل سکتا ہے۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق چار لاکھ 24 ہزار پاکستانی اب تک قانونی طور پر بمبئی کا دورہ کرچکے ہیں، اور ان میں سے 1283 اب بھی شہر میں ہیں لیکن ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ کہاں ہیں۔ ڈی سی پی کا یہ بھی کہنا ہے کہ تیس ہزار تک بنگلہ دیشی اب بھی شہر میں رہ رہے ہیں پولیس نے ان کی تیس کالونیوں کی شناخت کی ہے۔ انگلے کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر کوئی اپنا…

> ہند مزدور کسان پنچایت کے سکریٹری شنکر سالوی کہتے ہیں کہ ہر تین مہینے پر پولیس کچھ لوگوں کو اٹھا لیتی ہے انہیں کچھ دنوں تک حراست میں رکھتی ہے اور بنگلہ دیش بھیج دینے کی دھمکی دیتی ہے اور پھر پیسہ لے کر چھوڑ دیتی ہے۔ پولیس ان بے یار ومددگار لوگوں کو بری طرح سے لوٹ رہی ہے۔

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفاء آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49 ابو الفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 25 سے شائع کیا
فون : 6827018

غیر ملکی دراندازوں کے مسئلہ پر

ملی پارلیامنٹ کے مجوزہ ایجنڈے سے ایک اقتباس

تیسرا اہم مسئلہ جو اس وقت تیزی سے سر اٹھا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ آنے والے دنوں میں مزید شدت اختیار کر لے گا وہ ملک کے مختلف علاقوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی شہریت کو مشکوک بنائے جانے کا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کون شخص بنگلہ دیشی ہے یا کس نے ہندوستان میں کب سکونت اختیار کی ہمارا یہ واضح موقف ہونا چاہئے کہ آج کی تاریخ تک ہندوستان میں لینے والے ہر شخص کو مکمل ہندوستانی شہری تسلیم کیا جائے۔

لوگوں کی سکونت اور آبادکاری کے بارے میں سیاسی انداز سے تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری رکھا گیا تو اس سے مسائل مزید پیچیدہ ہو جائیں گے۔ ہندوستان جیسے قدیم بین الملی اور بین المذہبی ملک میں جس کی پوری تہذیبی تاریخ مختلف علاقوں سے آکر سکونت اختیار کرنے والوں پر منحصر ہے۔ ملکی اور غیر ملکی کی بحث بے معنی ہے مزید یہ کہ اگر ہندوستان نے بنگلہ دیش کی آزادی کو اپنا قومی فریضہ سمجھا تھا تو اسے چاہئے کہ اگر اس موقع پر پریشان حال لوگوں نے جنگی حالات سے تنگ آکر اس ملک میں جائے پناہ حاصل کی ہو تو اپنی وسعت ظرفی کے تحت وہ ان کی ذمہ داریاں بھی قبول کر لے۔ رہا ان ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ جن کی شہریت مختلف بہانوں سے مشکوک قرار دی جاتی رہی ہے تو ان کا تعلق دور دور سے بھی بنگلہ دیش سے ثابت نہیں ہوتا اس شرانگیزی کے سد باب کے لئے ہمیں ایک موثر رویہ اختیار کرنا ہوگا۔

"فساد میں شیوسینک مسلمانوں کو نشانہ بناتے تھے اب "بنگلہ دیشیوں" کو

امیت یوکل کی رپورٹ

"غیر ملکیوں" کے خلاف بال ٹھاکرے کے اعلان کے بعد مغربی بنگال کے باوڑہ، ہگلی، مدناپور اور بردوان اضلاع کے سینکڑوں افراد اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے لوگ اپنے ہندوستانی ہونے کے کاغذات لینے آئے ہیں تو بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنا کام دھندہ ہی چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس کشیدہ ماحول میں واپس جانا مناسب نہیں ہے۔

باوڑہ کے پاس واقع ایک گاؤں کندک پور کا ایک ایمبرائڈری ورکر 28 سالہ پار تھو بال بھی دس ساتھیوں کے ساتھ واپس آیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پچھلے مہینے سے اکثر گاڑیاں ایسے لوگوں سے بھری ہوئی آرہی ہیں۔ "پولیس کے نزدیک ہندو مسلم کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اگر آپ بنگلہ بول رہے ہیں تو آپ کو پریشان کیا جائیگا"۔

پار تھو دو سال سے باندرہ میں رہ رہا ہے۔ وہ گذشتہ تجربات کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "فساد کے دوران مراٹھی نوجوان گلیوں میں گھوما کرتے تھے۔ اگر انہیں کسی پر مسلمان ہونے کا شبہ ہو جاتا تو وہ اسے اس کا کالر پکڑ کر اٹھا لیتے اور بری طرح پیٹنا شروع کر دیتے۔ اب یہ حالات تو نہیں ہیں البتہ دوسرے حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس وقت توجہ بنگالیوں بالخصوص بنگلا دیشیوں پر ہے لیکن میرے جیسے مغربی بنگال کے لوگوں کو بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ اپنے ہندوستانی ہونے کا ثبوت دو۔ اگر آپ کوئی ثبوت نہیں دے سکتے تو آپ کو پولیس حراست میں رکھ دیا جاتا ہے۔ جب تک پولیس ایسے لوگوں کو بنگلہ دیش واپس نہ بھیج دے زد و کوب کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے"۔

> "فساد کے دوران مراٹھی نوجوان گلیوں میں گھوما کرتے تھے۔ اگر انہیں کسی پر مسلمان ہونے کا شبہ ہو جاتا تو وہ اسے اس کا کالر پکڑ کر اٹھا لیتے اور بری طرح پیٹنا شروع کر دیتے۔ اب یہ حالات تو نہیں ہیں البتہ دوسرے حالات پیدا ہو گئے ہیں۔

کندک پور سے ایک کلو میٹر دور ملی شاہبر گاؤں کا شسل بھی واپس آگیا ہے۔ وہ زری کا کام کرتا ہے۔ وہ مذکورہ باتوں کی تائید کرتے ہوئے کہتا کہ اگر آپ ہندوستانی ہیں تو کاغذات دکھلایئے۔ ورنہ پولیس بنگلہ دیش بھیج دیتی ہے اور اس سے قبل پٹائی بھی کرتی ہے۔ ہم نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو پندرہ پندرہ سال سے وہاں کام کر رہے ہیں ان کے پاس راشن کارڈ بھی ہے۔ پھر بھی انہیں واپس بھیج دیا گیا۔ پنچال ہاٹ کے ایک مسلم نوجوان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ پانچ اپریل کو اسے بری طرح زد و کوب کیا گیا اور بنگلہ دیش بھیج دیا گیا۔

بہت سارے لوگوں کے لئے یہ حالات غیر متوقع ہیں۔ اب وہ کوریئر کے ذریعے یا اپنے رشتہ داروں کو فون کر کے ان سے راشن کارڈ اور دوسرے کاغذات کی نقول منگوا رہے ہیں۔ عاصم نے جلد ہی اپنے 14 سالہ بھتیجے کے کاغذات بھیجے ہیں۔ پنچایتوں کے ذریعہ دھڑا دھڑ کاغذات جاری کئے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے نوجوان کا کہنا ہے کہ جہاں ہم رہتے تھے وہاں ایک ہزار بنگالی رہتے ہیں۔ مراٹھی نوجوان اور اسپیشل برانچ والے گلیوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ جس پر شبہ ہوتا ہے اسے پکڑ لیتے ہیں حالات انتہائی مخدوش ہیں۔ میرے پاس شہریت کے کاغذات ہیں لیکن میں نے اپنے گھر واپس آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

...کچھ تلخ حقائق، چند چشم کشا رپورٹیں

...مسلمانوں پر کیا گذر رہی ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بمبی پولس نے ایسے ...بمبئی سے نکالنے کا بیڑا اٹھالیا ہے۔ اس کارروائی میں مبینہ بنگلہ دیشیوں کے ساتھ اصل ...ہیں اور ایسے بہت سے لوگوں کو کیسے بنگلہ دیش روانہ کر دیا جا رہا ہے، اس کا اندازہ یہاں

...کر مجھے بنگلہ دیش میں دھکیل دیا گیا"

پرنے شرما کی چشم دید رپورٹ

...ہیں۔ جب واپس آکر بیان کرتے کہ بمبئی میں روزی ...روزی کمانا بہت آسان ہے تو عزیزل بھی آگیا۔ وہ بنگالی پورا میں رہنے لگا اور ایک تعمیراتی کمپنی میں ہیلپر کا کام کرنے لگا۔ عزیزل کہتا ہے کہ میں نہ صرف کمانے لگا بلکہ بچانے بھی لگا۔ اس کا کہنا ہے کہ مغربی بنگال میں وہ بمشکل 30 روپے یومیہ کما پاتا تھا جب کہ بمبئی میں اس سے دوگنا اور تین گنا کمانے لگا۔ لیکن بال ٹھاکرے کی دھمکی کے بعد بنگالی پورا کے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔

ولاڈا روڈ پر ریلوے پٹری کے ساتھ ساتھ یہ کالونی گذشتہ دہائی میں آباد ہوئی ہے۔ یہاں تقریبا ایک ہزار خاندان رہتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر غریب ہیں۔ البتہ کچھ لوگوں نے پکا مکان بنالیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کالونی 1960 سے آباد ہے۔ لیکن گذشتہ دس سالوں میں یہ بہت بڑی ہو گئی ہے۔

پولس کا کہنا ہے کہ یہ بنگلہ دیشیوں کی کالونی ہے جبکہ یہاں رہنے والے بیشتر لوگوں کے پاس ہندوستانی شہری ہونے کا ثبوت ہے۔ جن میں راشن کارڈ، گرام پردھانوں کے ذریعہ دیئے گئے سرٹیفیکٹ وغیرہ ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ایک دوکاندار نعیم الدین کا کہنا ہے کہ ہم کیسے مذکورہ کاغذات لا سکتے ہیں اور اپنے ہندوستانی شہری ہونے کا ثبوت دے سکتے ہیں یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کالونی میں کچھ بنگلہ دیشی ضرور ہیں لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ انہیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے۔" اور انہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر لوگ مغربی بنگال سے تعلق رکھتے ہیں۔

لیکن جب سے تنازعہ کھڑا ہوا ہے، بہت سے وہ لوگ جو خود کو ہندوستانی کہتے ہیں بری طرح ہراساں کئے جا رہے ہیں۔ عزیزل صرف ایک علامت ہے۔ ایسے بہت سے عزیزل ہیں جو ہندوستانی ہونے کے باوجود بنگلہ دیشی قرار دے دیے گئے ہیں اور جنہیں پولس بنگلہ دیش بھیجنے پر کمربستہ ہو گئی ہے۔

> لیکن جب سے تنازعہ کھڑا ہوا ہے، بہت سے وہ لوگ جو خود کو ہندوستانی کہتے ہیں بری طرح ہراساں کئے جا رہے ہیں۔ عزیزل صرف ایک علامت ہے۔ ایسے بہت سے عزیزل ہیں جو ہندوستانی ہونے کے باوجود بنگلہ دیشی قرار دے دیے گئے ہیں اور جنہیں پولس بنگلہ دیش بھیجنے پر کمربستہ ہو گئی ہے۔

...فرقہ واریت کی بو آتی ہے

ماریا ابراہم کی رپورٹ

...راشن کارڈ دکھاتا ہے تو ہم اسے نہیں پکڑتے لیکن ایسے بے شمار واقعات سامنے آرہے ہیں جن میں راشن کارڈ والوں کو بھی پکڑ کر سرحد پار بھیج دیا جاتا ہے۔

ہند مزدور کسان پنچایت کے سکریٹری شنکر سالوی کہتے ہیں کہ ہر تین مہینے پر پولیس کچھ لوگوں کو اٹھا لیتی ہے انہیں کچھ دنوں تک حراست میں رکھتی ہے اور بنگلہ دیش بھیج دینے کی دھمکی دیتی ہے اور پھر پیسہ لے کر چھوڑ دیتی ہے۔ پولیس ان بے یار و مددگار ...لوگوں کو بری طرح سے لوٹ رہی ہے۔ جو لوگ یہاں ...پندرہ سال سے بھی زائد عرصے سے رہ رہے ہیں انہیں واپس بھیجنے کا پولیس کو کوئی حق نہیں ہے۔ ان کے کاغذات کی سچائی کو جانچنے کے لئے پولیس کو تحقیقی کام کرنا چاہئے۔

ایک نوجوان حفیظ الرحمن کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیشیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں کیا جاتا ہے۔ پولیس نیپالیوں اور دوسرے غیر ملکیوں کے ساتھ یہی سلوک کیوں نہیں کرتی۔ الیکشن سے قبل سیاستداں ہمارے پاس آکر ووٹ مانگتے ہیں جب ہم ان سے اپنا مسئلہ بتاتے ہیں تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ ہم کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ لوگ بنگلہ دیشی ہیں۔ ڈی سی پی انگلے کا کہنا ہے کہ "یہ غریب لوگ ہیں جو محنت مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتے ہیں جہاں تک میں جانتا ہوں یہ لوگ مجرمانہ سرگرمیوں میں قطعی ملوث نہیں ہیں"۔ یہ سچ ہے کہ غیر قانونی درانداز حکومت کے لئے ایک مسئلہ ہیں لیکن حکومت ایسے اقدامات کر رہی ہے جس سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے آخر وہ دوسرے غیر قانونی دراندازوں کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کرتی۔

> پولیس کے ریکارڈ کے مطابق گذشتہ 13 سالوں میں 5549 بنگلہ دیشیوں کو بمبئی سے بنگلہ دیش بھیجا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں ایسے لوگوں کی بھی خاصی تعداد ہوتی ہے جو ہندوستانی ہوتے ہیں مگر کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔ پھر بھی پولیس انہیں بنگلہ دیشی ہی مانتی ہے۔

وہ وقت دور نہیں جب قوت خرید سے محروم لوگ زندگی بھر کنوارے رہ جائیں گے

پوری دنیا میں لڑکوں کے مقابلے لڑکیوں کی شرح پیدائش میں تشویشناک حد تک کمی واقع ہو رہی ہے

رسالہ ایشیاء ویک کا دلچسپ سروے

وسط فروری میں دنیا کی کثیر ترین آبادی والے ملک چین نے اپنے ایک سو بیس کروڑویں شہری کی پیدائش کے اعلان کے ساتھ ملک میں "صرف ایک بچے" کی پالیسی کے سخت ترین نفاذ کے عزم کا اظہار کیا۔ اتفاق سے یہ نو مولود بھی لڑکا نکلا۔ چین دنیا کے ان چند ممالک میں سے ہے جہاں آبادی میں مردوں اور عورتوں کے تناسب میں خاصا عدم توازن ہے مثلاً گذشتہ سال پیدا ہونے والے بچوں میں اگر سو لڑکیاں تھیں تو ایک سو سترہ لڑکے جب کہ بین الاقوامی تناسب 106 لڑکوں پر 100 لڑکیوں کا ہے۔

براعظم ایشیا میں آبادی میں جنسی اعتبار سے

> مشینوں کے ذریعے جنین کی تشخیص کر کے لڑکی کی صورت میں اسقاط حمل کے واقعات میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ اخلاقی زوال کے ایسے راستے پر گامزن ہو گیا ہے۔ جو ہمیں دور جاہلیت کی دختر کش روایت تک پہنچا دیگا۔

عدم توازن میں چین، کوریا اور ہندوستان سرفہرست ہیں جہاں پر غیر نرینہ اولاد کے تئیں یکساں متعصبانہ رویہ پایا جاتا ہے اور قبل از ولادت بچے کی جنس کا تعین کرنے والے ذرائع نے اس تعصب کو اور بھی ہوا دی ہے جس کے نتیجے میں بہت سی مائیں لڑکی ہونے کی صورت میں حمل ساقط کروا لیتی ہیں جس سے خطرہ یہ پیدا ہو چلا ہے کہ جلد ہی وہ نوبت آنے والی ہے کہ ملک میں احساس محرومی میں مبتلا غیر شادی شدہ لوگوں کی تعداد حد سے تجاوز کر جائے گی۔

لڑکوں کو دنیا میں لانے کی قدرتی ترجیح غالباً اس حقیقت کا ازالہ کرنے کی کوشش ہے کہ Tes toTerone کے حامل لڑکوں کی شرح اموات لڑکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ چین میں ہر سال چار سے پانچ لاکھ سے زیادہ لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ اس صدی کے اختتام تک چین میں ہمیشہ کنوارے رہنے والے لوگوں کی تعداد 70 ملین ہو جائے گی۔ کوریا میں کنواروں کی تعداد میں 22 فیصد کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور تقریباً یہی صورت حال ہندوستان میں بھی ہوگی جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش کا تناسب 1000 اور 927 کا ہے۔

آبادی کے جنسی عدم توازن نے ماہرین آبادی کو چوکنا کر دیا ہے اور مذکورہ ممالک میں پیٹ میں پل رہے بچے کی جنس کے تعین کے مشینی ذرائع اختیار کرنے پر قانونی پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تو دوسری جانب آبادی کے معیار کو بلند کرنے کے لئے حکومتیں اپنے آبادی کی روک تھام سے متعلق پروگراموں کو از سر نو ترتیب دے رہی ہیں اور عورتوں کو ایسے حقوق دے کر ان کے سماجی مرتبے کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہیں جو انہیں اب تک حاصل نہ تھے۔ اگر یہ منصوبے کامیاب ہو بھی جائیں تو اس وقت تک کئی مردانی نسلیں پیدا ہو چکی ہوں گی۔ اس مسئلہ پر گہری نظر رکھنے والوں کے مختلف اندازے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دلہنوں کی قیمت بہت بڑھ جائے گی جس سے عورتوں کی حیثیت میں خاصا اضافہ ہوگا۔ نتیجتاً جو لوگ قوت خرید نہیں رکھتے وہ شادی کے خیال سے باز رہیں گے یا چین کے لوگ خلاف روایت بوڑھی عورتوں سے شادی کر لیں گے۔ ہندو تقدیر سے بغاوت کر کے بدشگون بیوہ کو شریک حیات بنا لے گا۔ یہ صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ شادی کی مالی حیثیت نہ رکھنے والے لوگ مجرمانہ طریقہ اختیار کرنے لگیں اور اغوا اور عصمت دری کے جرائم کی شرح میں حد درجہ اضافہ ہو جائے۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ عورتوں کی قلت ان سے متعلق دیرینہ تصورات کی بنیادیں ہلا دیگا۔

لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کو زیادہ قیمتی سمجھنے کا انحصار بھی اس سے پیدا ہونے والی اولاد نرینہ کی تعداد پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مظاہر پر بھی اسی تصور کی چھاپ ہے۔ ہندوستان میں لڑکا نہ پیدا کرنے والی عورت کو کتنا بے مصرف سمجھا جاتا ہے اور اسے کن مصائب سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ سب کو ہے۔ صرف اسی جرم کی سزا میں وہ شوہر کی طرف سے نہیں تو سسرال والوں کی طرف سے خاندان کا مستقبل برباد کرنے کے لئے مورد الزام ٹھہرائی جاتی ہے۔

ان حالات اور ان زیادتیوں سے تنگ آکر آخر عورت پیر فقیر کا سہارا لیتی ہے حمل ساقط کرا لیتی ہیں، یا پیٹ کے اندر ہی غیر نرینہ حمل کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مطلقات میں ایک بہت بڑی تعداد اولاد نرینہ سے محروم عورتوں کی ہوتی ہے۔

دیہی معاشرے میں لڑکیوں کے تئیں متعصبانہ رویہ کچھ زیادہ ہی نمایاں رہتا ہے کیونکہ لڑکا روز مرہ کے کاموں میں مستقل مدد اور آمدنی کی ضمانت ہوتا ہے۔ شہروں میں صورت حال قدرے مختلف ہے جہاں لوگ عورتوں کے تئیں روایتی تعصب کے اظہار میں زیادہ شدت پسند نہیں ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ملازمت اور دوسرے پیشوں سے وابستگی کی بناء پر لوگوں کی مالی حالت اطمینان بخش ہوتی ہے اور لڑکیوں اور خواتین کو بھی روزگار اور تعلیم کے مواقع مل جاتے ہیں۔ تاہم تمام شہری باشندے اس خیال سے متفق نہیں ہوتے کہ لڑکے اور لڑکیاں یکساں طور پر قدرت کی نعمت ہیں اور اسی لئے ان کی نگاہیں استقرار حمل کے بعد سے ہی الٹراساؤنڈ مشین پر جم جاتی ہیں۔ اور آج بھی ولادت کے نام پر لڑکے کا تصور سماجی نفسیات کا اٹوٹ حصہ بنا ہوا ہے۔ اس تصور پر دیہی سماج کچھ زیادہ ہی ثابت قدمی سے جما ہوا ہے جس کا عقیدہ ہے کہ بیٹا چاہے کتنا ہی گھٹیا ہو بیٹی سے بہتر ہے۔

لڑکوں کی شرح پیدائش میں اضافے کا سب سے اہم سبب غالباً لوگوں کی الٹراساؤنڈ ٹیسٹ تک باسانی رسائی ہے اور چونکہ اس کی مشین کوئی بہت مہنگی بھی نہیں ہے اس لئے حمل کے ابتدائی دنوں کی کیفیات اور جنین کی جنس کے تعین کی خواہش شہری اور دیہی عوام دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ گذشتہ دو دہائیوں میں لڑکے اور لڑکیوں کی پیدائش کے جنسی تفاوت کی بناء پر جس کے تحت

بچیوں کو بھی "باہر" آنے کا پورا پورا حق ہے پھر ان کے ساتھ ناانصافی کیوں

بعض جگہوں پر یہ تناسب سو لڑکوں پر 163 لڑکیوں کا آیا ہے ایک ایسی سماجی صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ دیہی علاقوں کا غریب طبقہ شادی کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اس طرح تقریباً غیر شادی شدہ رہ جانے والے دس فیصد لڑکے خصوصاً چینی خاندانوں کے لئے مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ عورتوں کی تعداد میں نسبتاً کمی واقع ہونے کے باوجود یہ مسئلہ اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ معاشرے میں ان کی حیثیت کو بہتر بنانے کے لئے کس طرح کے اقدامات کئے جائیں۔ ہندوستان کے کئی سماجی انقلابی حکومت پر برابر دباؤ ڈالتے رہے ہیں کہ ملک کی آبادی میں جنسی تفاوت کو عورتوں کے کمتر مرتبے کی علامت قرار دیتے ہوئے ان کی ترقی کے لئے اقدامات کیے جائیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اسقاط حمل ہی ہندوستان کی آبادی کے جنسی تفاوت کا اصل سبب نہیں ہے بلکہ یہ بات بھی ہے کہ پیدائش کے بعد لڑکیوں کے ساتھ مختلف سطحوں پر امتیاز برتا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں جہاں ہندوستان کی ایک تہائی آبادی رہتی ہے سرکاری سروے سے معلوم ہوا ہے کہ لڑکیوں پر تغذیہ اور دوا علاج وغیرہ کے معاملے میں لڑکوں کی بہ نسبت کم توجہ دی جاتی ہے جس کی بناء پر 5 سے 6 سال کی عمر کی لڑکیوں کی شرح اموات خاصی زیادہ ہے۔ اگرچہ حکومت ہند کے آئین میں خاندان کے سائز کو محدود رکھنے کا کوئی باضابطہ قانون نہیں ہے لیکن بہت سے تہذیبی عوامل جنسی تفاوت کی شکل میں خاندان کے سائز کو مختصر کر دیتے ہیں۔ ملک کی 60 فیصد آبادی کا ہندوؤں پر مشتمل ہے جن میں جہیز کے لین دین کا عام رواج ہے جس نے بہت سے لوگوں کے لئے لڑکی پیدا کر کے جینا واقعتاً مشکل کر دیا ہے۔ دوسری جانب بڑھتی ہوئی اقتصادی خوشحالی نے لڑکے والوں کو زندگی کی کم و بیش تمام آسائشوں کے مطالبے کا عادی بنا دیا ہے۔ جہیز کے مطالبے کی تکمیل کا بھی قانونی جواز حالانکہ نہیں ہے لیکن اسے پورا کئے بغیر کوئی لڑکی والا بیٹی بیاہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں کسی متوسط خاندان میں کئی لڑکیوں کی موجودگی کا مطلب موت نہیں تو مصیبت ضرور ہے اور اس کے برعکس لڑکوں کی حیثیت سادے چیک سے کم نہیں۔

اس تہذیبی بحران کی فضا میں جنین کا تعین کرنے والے مراکز کی بن آئی، انہوں نے اپنی پیش کردہ خدمات کی تشہیر کے لئے ذہن کو چھونے والے نعرے ایجاد کیے۔ ہندوستان میں غیر نرینہ حمل ساقط کرنے کے واقعات میں جب حیرت ناک اضافہ ہوا تو خواتین کی تنظیموں نے 1980 کی دہائی میں اس کے خلاف احتجاج کیا اور آخر گذشتہ سال حکومت نے جنس کے تعین کا ٹیسٹ کرنے والے ڈاکٹروں پر پابندی عائد کر دی۔ لیکن ان ڈاکٹروں کے قول کے ہی مطابق متوسط درجے سے تعلق رکھنے والی بے شمار عورتیں ایسی تھیں جنہوں نے تعیین جنین کے ٹھکانے ڈھونڈھ نکالے۔ لڑکی کی ماں بننے سے ان کی اس نفرت کے احساس کو بھانپتے ہوئے بہت سے ڈاکٹروں نے یہ کیا کہ اپنی مشینیں اور دیگر آلات گاڑیوں میں رکھ کر لگے قریہ در قریہ پھیری لگانے۔ یہ مذاق نہیں بلکہ وہ حقیقت ہے جس کا اظہار مرکز برائے تحقیق صحت و متعلقہ موضوعات کے کو آرڈی میٹر ڈاکٹر ام جیسانی نے کیا۔

> آبادی کے جنسی عدم توازن نے ماہرین آبادی کو چوکنا کر دیا ہے اور مذکورہ ممالک میں پیٹ میں پل رہے بچے کی جنس کے تعین کے مشینی ذرائع اختیار کرنے پر قانونی پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

بقیہ مسلم یونیورسٹی

دراصل بعض طلباء لیڈر اور ان لے حاشیہ بردار جو کبھی کبھار کلاس کرتے اور پڑھائی لکھائی سے کم ہی دلچسپی رکھتے ہیں وہی اساتذہ کی سب سے زیادہ برائی کرتے ہیں۔ یہی طلبہ اور ان کے حاشیہ بردار ان اساتذہ سے خوب گھل مل کر رہتے ہیں جو اپنے فرض منصبی سے زیادہ سیاست میں دلچسپی دکھاتے ہیں۔ اسی قسم کے چند اساتذہ و طلبہ دراصل کیمپس میں سیاسی غلاظت کے لئے ذمہ دار ہیں۔

لیکن وائس چانسلر نے بعض باتیں بہت ہی اچھی کہیں۔ انہوں نے طلبہ سے اساتذہ کے احترام اور اساتذہ سے طلبہ کے ساتھ محبت سے پیش آنے کی اپیل کی۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یونیورسٹی کی جائدادوں کے تحفظ، صاف ستھرے انداز میں داخلے اور امتحان کرانے پر بھی زور دیا انہوں نے کچھ اس طرح کا تاثر بھی دیا کہ گذشتہ دنوں بہت سے گھپلے ہوئے ہیں۔ جن کی بعض فائلیں انہوں نے دیکھ بھی لی ہیں۔ لیکن انہوں نے کھل کر یہ نہیں بتایا کہ وہ اس ضمن میں کیا اقدام کرنے والے ہیں۔ دراصل یہیں وائس چانسلر کا امتحان ہوگا۔ اگر لوگوں سے چھوٹی موٹی فروگزاشتیں ہوئی ہوتیں تو ماضی کو بھول جانے والی پالیسی اپنائی جا سکتی تھی۔ لیکن یہاں تو لوگ مسلم اونٹ نگلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہرکیف ابھی نئے وائس چانسلر کو اپنا عہدہ سنبھالے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کے دور میں علی گڑھ کے مستقبل کا صحیح اندازہ کرنا ابھی مشکل ہوگا۔ محمود الرحمن صاحب کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہوگا کہ کس طرح یونیورسٹی کی گروپ سیاست سے الگ رہ کر ہر معاملے میں انصاف کی بنیاد پر صحیح فیصلے کرتے ہیں۔ ایک ہفتہ میں ان کی سرگرمیوں سے مفاد پرست اور غنڈہ عناصر کو مایوسی اور اچھے لوگوں کو امیدیں بندھی ہیں۔ مگر دیکھئے یہ سب کب تک قائم رہتا ہے۔

آج بھی بہار کی سیاست میں مسلمان بے اثر ہیں

گذشتہ پچاس برسوں سے سیاسی پارٹیاں ان کا استعمال کرتی رہی ہیں۔

مظفر پور سے ہمارے نمائندے مظہر امام تابش کی فکر انگیز تحریر

اس وقت بہار اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی ان کے تناسب کے اعتبار سے لگ بھگ نصف سے بھی کم ہے جب کہ 1991 کے پارلیمانی انتخاب میں ان کی نمائندگی کچھ بہتر تھی۔

اس صوبے میں انگریزوں کے زمانے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت دو عام انتخابات ہوئے تھے۔ پہلا جنوری 1937 میں اور دوسرا مارچ 1946 میں۔ اسمبلی کے لئے کل 152 نشستیں تھیں جن میں 129 علاقائی، 79 جنرل، 39 مسلمانوں کے لئے اور 4 نشستیں خواتین کے لئے تھیں۔

پہلے انتخاب میں رائے دہندگان کی تعداد 2% تھی اور سب سے زیادہ 98 سیٹیں حاصل کر کے کانگریس سب سے اوپر تھی۔ مسلم آزاد پارٹی کو 20 سیٹیں ملی تھیں وہ دوسرے نمبر پر تھی۔

حکومت بنانے کے لئے کانگریس کی طرف سے انکار کردیئے جانے پر مسلم آزاد پارٹی کے محمد یونس نے بہار میں اپنی پہلی اور آخری سرکار بنائی۔ اس کے متعلق ڈاکٹر راجندر پرشاد نے لکھا ہے کہ۔

"جس دن وزارت کی تشکیل ہوئی اس دن پٹنہ میں کچھ لوگوں نے محمد یونس کے خلاف جلوس نکالا جس میں جے پرکاش نارائن اہم تھے۔ وہ گرفتار کر لیے گئے۔ ان پر مقدمہ چلا اور کچھ سزا بھی ملی بعد میں محمد یونس نے سزا کی میعاد پوری ہونے کے پہلے ہی جے پی کو چھوڑ دیا۔

(آتم کتھا صفحہ 0935)

بعد میں کانگریس نے جولائی 1937 میں سرکار بنانا قبول کیا اور شری کرشن سنگھ کی نمائندگی میں وزارت کی تشکیل ہوئی۔

دوسرا انتخاب 1946 میں ہوا۔ مسلمانوں کے لئے مخصوص سیٹوں نے صرف دو سیٹیں حاصل کی تھیں۔ پانچ سیٹیں جماعت مومن اور ایک سیٹ کانگریس کو ملی۔ مسلم لیگ کو چھوڑ کر دیگر پارٹیاں کانگریس کے ساتھ مل کر کام کر رہی تھیں۔

بہار کی پہلی ریاستی کانگریس کمیٹی کے صدر نواب سرفراز خاں بہادر تھے۔ اس کمیٹی کی تشکیل 1908 میں ہوئی تھی۔ سید حسن امام، سید نجم الہدی اور مظہر الحق ریاستی کانگریس کمیٹی کے اہم رکن تھے۔ بہار میں مسلم لیگ کی ریاستی تشکیل 15 مارچ 1908 کو مولانا مظہر الحق کی صدارت میں ہوئی تھی۔

1924 کے کونسل انتخاب میں مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا کے ذریعہ فرقہ واریت کو ہوا دی گئی جس کے نتیجے میں اپریل اور مئی میں اسی سال مونگیر، سہسرام، مظفر پور اور دربھنگہ میں بھیانک فسادات ہوئے تھے۔

پھر بہار کے اہم مسلم رہنماؤں کا جھکاؤ کانگریس کی طرف ہو گیا۔ مولانا مظہر الحق نے تو سیاست سے سنیاس لے لیا تھا۔ 8۔ مارچ 1927 کو انجمن اسلامیہ ہال میں لیگ نے مسلمانوں کے حق رائے دہندگی کے لئے ایک میمورنڈم جاری کیا۔

اس دوران مومن جماعت، جماعت علماء، خاکسار پارٹی وغیرہ مسلم لیگ کی مخالفت کرتی رہیں۔ ان پارٹیوں اور رہنماؤں کو لیگ نے غدار قرار دیکر ان کے خلاف میمورنڈم بھی جاری کر دیا تھا۔

تقسیم ہند کے بعد مسلم لیگ جہاں بہار میں یوم پاکستان منایا کرتی تھی وہیں جماعت علماء وغیرہ پارٹیاں یوم ہندوستان منایا کرتی تھیں بہار میں مسلمانوں کے درمیان دو طاقتیں کام کر رہی تھیں۔ یہ تقسیم سماجی اور اقتصادی شکل میں اونچے طبقے اور پچھڑے طبقے کے بیچ تھی لیکن پاکستان بننے کے بعد بہار کے مسلم لیگ کے رہنما پاکستان نہیں جاسکے۔ یہ رہنما خاص کر زمیندار اور اونچے طبقے وذات سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کمیونسٹ پارٹی میں بھی جا نہیں سکتے تھے اور تاب سوشلسٹ انہیں اپنا نہیں سکتے تھے۔ ایسے میں کانگریس ہی ان کے لئے ایک پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی چونکہ لیگ اور کانگریس کا زمیندارانہ اقتصادی ڈھانچہ ایک جیسا تھا اس لئے لیگ کے رہنما کانگریس میں جاملے۔

بہار میں اسمبلی کے چار عام انتخابات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ٹکٹ دیئے جانے کے ضمن میں کانگریس سب سے آگے رہی ہے۔ 1969 کے اسمبلی انتخاب میں کانگریس نے 9.43 فیصد 1977 میں 10.5 فیصد، 1985 میں 12.7 فیصد، 1990 میں 8.72 فیصد اور 1995 کے حالیہ انتخاب میں 13.8 فیصد مسلمانوں کو ٹکٹ دیا۔

1969 میں پی ایس پی اور ایس ایس پی نے 9.9 فیصد و 10 فیصد، سی پی آئی نے 6.25 فیصد، 1985 میں لوک دل نے 8.30 فیصد، سی پی آئی نے 8.33 فیصد، 1990 میں جنتا دل نے 8.73 فیصد وسی پی آئی نے 11.71 فیصد اور 1995 میں جنتا دل نے 12.8 فیصد سی پی آئی نے لگ بھگ 12 فیصد ٹکٹ مسلمانوں کو دیئے۔

12.8 فیصد سی پی آئی نے لگ بھگ 12 فیصد ٹکٹ مسلمانوں کو دیئے۔

آزادی کے بعد ہوئے بہار کے انتخاب میں کانگریس کے ٹکٹ پر ہی زیادہ تر مسلم امیدوار کامیاب ہوئے۔ 1952 سے 1985 تک کے اعداد وشمار کے مطابق سب سے زیادہ 1985 میں 34 مسلمان اسمبلی میں گئے جن میں 29 کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔

1990 کے عام انتخاب میں کل 20 مسلمان کامیاب ہوئے ان میں گیارہ جنتا دل کے تھے کانگریس کے صرف پانچ مسلم امیدوار تھے اور 1995 کے حالیہ انتخاب میں کل 23 مسلمان کامیاب ہوئے ہیں جن میں 13 جنتا دل، 5 کانگریس، ایک سی پی آئی، ایک، جھارکھنڈ (ایس) ایک، جھارکھنڈ (ایم) اور دو سماجوادی پارٹی کے ہیں اس طرح بہار اسمبلی میں صرف 6.22 فیصد مسلمانوں نے سیٹوں پر اپنا قبضہ جمایا۔

لوک سبھا کے انتخاب میں 1984 میں چھ مسلم نمائندے کامیاب ہوئے یہ سب کانگریس کے تھے پھر 1991 میں جنتا دل کے ٹکٹ پر بھی چھ مسلمان کامیاب ہوئے۔ بہار سے پارلیامنٹ کے لئے مسلمانوں کو بھیجے جانے کی تعداد 11.11 فیصد رہی۔

شروع سے ہی مسلمانوں کا جھکاؤ کانگریس کی طرف تھا لیکن پھر یہ برقرار نہیں رہ سکا۔ ملک میں بڑھ رہی فرقہ واریت کی وجہ سے وہ اس سے الگ ہو گئے۔

بھاگل پور فساد اور بابری مسجد کی شہادت نے مسلمانوں کو پوری طرح سے کانگریس سے الگ کر دیا۔ مسلمانوں کی رغبت جنتا دل اور دوسری پارٹیوں کی طرف بڑھی۔ وی۔ پی سنگھ سرکار نے بھاجپا کو کچلنے کے لئے منڈل کمیشن کی سفارشوں کو لاگو کیا۔ اس سے اس سے مسلمان بھی متاثر ہوئے جن کی دو وجوہات تھیں یہ ہندو طبقے کے مقابلے میں ایک مضبوط اکائی کی شکل میں نظر آتے اور دوسرے پچھڑے مسلمانوں کو منڈل سفارشات میں شامل کیے جانے سے نوکریوں میں ان کی حصہ داری ہوتی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو سماج میں جو ہلچل شروع ہوئی اس سے مسلم سماج بھی نہیں بچ سکا۔ بہار کے مسلمان اپنی کوئی الگ پہچان بہار کی سیاست میں نہیں بنا پائے اور ابھی تک سیاسی پارٹیاں انہیں استعمال کرتی آرہی ہیں۔

بہار اسمبلی میں مسلمان

1952 سے 1995 تک

1995	1990	1985	1980	1977	1972	1969	1967	1962	1957	1952	
5	5	29	19	8	14	13	8	16	23	23	
								3			
						1	2	1			
1			1		3 .	2	4	1			
						1	1				
			1		4						
							1				
					2						
			1			1					
		3									
				13							
			3								
2	2										
		1	2								
13	11										
2											
	2	1	1	4	2	1	2		2	1	
23	20	34	28	25	25	19	18	21	25	24	
(In 320) 324	324	324	324	324	318	318	319	319	319	330	

پارلیامنٹ میں بہار کے مسلمان

1952 سے 1991 تک

1991	1989	1984	1980	1977	1971	1967	1962	1957	1952	Parties
	1	6	4		3	2	4	2	3	Congress
								1		Janata
				2						Janataparty
6	2									Janatadal
6	3	6	4	2	3	2	4	3	3	Total
11.3	5.55	11.11	7.40	3.77	5.45	3.77	5.54	5.45	5.45	Percent
54	54	54	54	53	53	53	53	53	55	Total Seat

بقیہ چرار شریف کی آگ

اس بارے میں ایک ورق ابیض شائع کرے جو ان یقین دہانیوں کو عملی شکل دے (ب) کشمیر کے مسئلے پر پرامن مذاکرات کی شروعات کی جائے اور اسے حل کرنے کی مختلف صورتوں پر غور و خوض کیا جائے اور (ج) فرقہ پرست عناصر کو سختی کے ساتھ قابو میں رکھا جائے تاکہ اقلیتیں ... خصوصاً مسلم اقلیت ... ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہیں اس میں وہ عناصر بھی شامل ہیں جو خود کانگریس کے اندر ہیں اور مسلم دشمنی پر کمربستہ رہتے ہیں اور بی جے پی اور شیوسینا جیسی جارحانہ اقلیت کش پالیسی پر عمل کرنے والی جماعتیں بھی۔

چرار شریف ملک کے سیکولر کردار کو ایک بہت بڑی للکار ہے اگر ہندوستان کے عوام ... ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی ... اپنے آئین کے وفادار ہیں تو ان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب ہی کے نہیں دیگر تمام مذاہب کے مقدس مقامات کی حفاظت اور نگرانی کریں اور انہیں کسی قسم کی فرقہ پرستانہ ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہونے دیں اور اگر حکومت وقت بھی اس نگرانی میں غافل پائی جائے اور حکمراں جماعت بھی اس میں شامل ہو تو ان کی بھی گرفت کریں کہ ملک کا آئین سب سے بڑی دستاویز ہے اور اس کی اولیت اور اہمیت مسلم ہے

اب ایک آخری بات

چرار شریف کے مزار کو آگ لگا دینا محض ایک فرقے یا ایک مذہبی گروہ کے جذبات کا معاملہ نہیں ہے۔ گواہی کی ضرورت ہو تو بہت سے غیر مسلم حضرات کی تشویش اس کی شہادت دے سکتی ہے (یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو اخبارات اور ٹیلی ویژن پر بمعہ تصاویر کے جلوہ فرما ہو چکے ہیں) یہ مسئلہ ہے ہندوستان کے سیکولر کردار کا اور اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے سیکولر ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت کے۔ ہر علاقے سے یہ آواز اٹھنی چاہیے اور صرف یہ احتجاج ضروری ہے کہ آخر کار "حکومت ہند" ہماری مذہبی عمارتوں کی حفاظت کرنا کب سیکھے گی۔ اس میں ہر مذہب، ہر فرقے اور ہر علاقے کے لوگ شامل ہونے چاہئیں۔

اس موقع پر مجھے اپنے بچپن کا دن یاد آتا ہے جب فلسطین کے مسئلے پر ہر جمعہ کی نماز کے بعد احتجاجی جلسہ ہوتا تھا، تجویزیں منظور ہوتی تھیں اور جلوس نکلتا تھا شاید کچھ گرفتاریاں بھی ہوتی تھیں ... مگر آج ہماری غیرت قومی کو کیا ہوا ہے۔ غیر ممالک سے ہمیں کوئی غرض نہیں ان سے بھی نپٹنا ہے تو ہماری حکومت ہی کو نپٹنا ہے لیکن ہماری حکومت آزاد ہندوستان میں اگر ہماری یا کسی بھی اقلیت کے مذہبی یادگاروں کی حفاظت سے غفلت برتی ہے تو یہ مجرمانہ حرکت یقیناً ناقابل معافی ہے اور اس کے خلاف ملک گیر طور پر صرف اقلیتوں کی طرف سے ہی نہیں بلکہ ملک کے تمام جمہوریت پسند اور انصاف دوست سیکولر عناصر کی طرف سے احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کا ایک سیلاب آنا چاہیے۔

مسلم تنظیمیں

مسئلہ صرف آرٹیکل ۴۴ کے خاتمے سے حل نہیں ہوگا بلکہ

دستور میں بعض بنیادی ترمیم کی ضرورت اب ناگزیر ہوگئی ہے

سپریم کورٹ کی تازہ ہدایات سے پیدا ہونے والی صورت حال پر قائد ملی پارلیامنٹ کا اظہار خیال

ہندوستانی مسلمان جہاں گذشتہ چند سالوں سے سخت ترین مسائل کا شکار ہیں وہیں ان میں اب ایک نئی مصیبت کا اضافہ بھی ہوگیا ہے۔ وزیراعظم نرسمہاراؤ جن کے دور اقتدار کو بابری مسجد کے انہدام کا اعجاز بھی حاصل ہے۔ سپریم کورٹ سے ایک نئی ہدایت پاکر یقینا خوش ہوئے ہونگے کہ اب انہیں دستور کی دفعہ 44 کے تحت ملک کے لئے ایک یکساں سول کوڈ بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہندوستان جیسے کثیر اعلی ملک میں ابتدا ہی سے اس بارے میں خاصے شکوک و شبہات پائے جاتے رہے ہیں کہ یکساں سول کوڈ سے مراد دراصل کونسا سول کوڈ ہے۔ اسلئے کہ اس ملک کی غالب اکثریت شرک میں مبتلا ہے۔ اور مشرکانہ اعتقادات اس کی زندگی کے ہر عمل میں نمایاں ہے۔ اس لئے غالب اکثریت کا سول کوڈ یقینا ان اقلیتوں کو بالخصوص مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہوگا جو ایک خدا میں یقین رکھنے کے علاوہ طریقہ زندگی کا ایک مکمل نظام بھی رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کی شکل میں خدا کا آخری پیغام موجود ہے۔ یہی کتاب اس امت کو ایک شناخت عطا کرتی ہے۔ یہی اس کا اوڑھنا ہے اور یہی اس کا بچھونا بھی بالفاظ دیگر یہی اس کا سول کوڈ ہے۔

مسلمان اپنے اس الہی سول کوڈ کے بارے میں اتنے حساس ہیں کہ وہ اپنے لئے دنیا کے کسی دوسرے نظام حیات کو لائق اعتناء نہیں گرداتے ان کا یہ بھی یقین ہے کہ قرآنی سول کوڈ کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے کسی سول کوڈ کو اختیار کرلینے کا عمل انہیں اسلام سے خارج کردیگا۔ جب معاملہ اتنا سنگین ہے تو بھلا مسلمان اس ملک میں کسی یکساں سول کوڈ کی بات کیسے کرسکتا ہے۔

روز اول سے ہندوستانی مسلمان دستور کے دفعہ 44 کو کالعدم قرار دینے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ ان مسلمانوں کے ملی رہنما اسے مذہبی آزادی پر حملہ کا نام بھی دیتے رہے ہیں۔ اب جب ایک بار پھر دفعہ 44 کی تلوار مسلمانوں کے سر پر لٹکادی گئی ہے۔ مسلمانوں کے خوابیدہ قائدین نے کروٹ لی ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے عہدیداروں کے بیانات اخبارات کی زینت بن رہے ہیں۔ اور پرسنل لا بورڈ کی طرف سے وزیراعظم کی خدمت میں ایک نئے میمورنڈم کی تیاری کا کام شروع کردیا گیا ہے۔

> مسلمان اس الہی سول کوڈ کے بارے میں اتنے حساس ہیں کہ وہ اپنے لئے دنیا کے کسی دوسرے نظام حیات کو لائق اعتناء نہیں گرداتے۔ ان کا یہ بھی یقین ہے کہ قرآنی سول کوڈ کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے کسی سول کوڈ کو اختیار کرلینے کا عمل انہیں اسلام سے خارج کردیگا۔

معاملہ صرف دفعہ 44 کا نہیں بلکہ دستور کی بنیادی روح کا ہے۔ جو اصلا سیکولر ہونے کے بجائے اکثریت پسند ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال نومبر میں قائد ملی پارلیامنٹ ڈاکٹر راشد شاذ نے دستور ہند میں بعض بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت طرف توجہ دلایا تھا۔ ملی پارلیامنٹ کے مشاورتی اجلاس میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی تھی کہ اس ملک میں مسلمانوں کو ایک مکمل نظریاتی شہری بننے میں دستور ہند کی بعض دفعات حارج ہیں۔ لہذا ہندوستان کے مسلمان اسی وقت ملک کے نظریاتی شہری بن سکتے ہیں جب دستور میں بعض بنیادی تبدیلیاں لاکر اسے امت مسلمہ کے نظریاتی خواب سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔

ملی پارلیامنٹ کے اسی مشاورتی اجلاس میں قائد محترم نے یہ بات بہت واضح طور پر کہی تھی کہ دستور ہند میں بعض بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر مسلمان اس ملک میں اہم اور قائدانہ رول ادا نہیں کرسکتے۔ ایسا اس لئے کہ امت کے اپنے خواب اور اسکی متعین کردہ منزل دستور ہند کی متعین کردہ منزل سے یکسر مختلف ہے۔ حامل قرآن ہونے کی حیثیت سے اگر مسلمان اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اس ملک کو ایک قرآنی سول کوڈ سے روشناس کراسکیں تو دوسری طرف دستور ہند اس ملک میں ایک بالکل غیر قرآنی ناقص سول کوڈ کے نفاذ کی بات کرتا ہے۔ گویا قرآن اس ملک کے کارواں کو ایک سمت میں لے جانا چاہتا ہے تو دوسری طرف دستور اس کارواں کو بالکل ہی مخالف سمت میں۔ یہ ایک کھلا تضاد ہے اس کا جلد از جلد ختم ہونا ضروری ہے۔

> قرآن اس ملک کے کارواں کو ایک سمت میں لے جانا چاہتا ہے تو دوسری طرف دستور اس کارواں کو بالکل ہی مخالف سمت میں۔ یہ ایک کھلا تضاد ہے اس کا جلد از جلد ختم ہونا ضروری ہے۔

یہ بات بہت واضح ہے کہ جب دستور کا مقابلہ قرآن سے ہو تو بیس کروڑ مسلمانوں کی جدوجہد کا محور و مرکز قرآن قرار پائے گا۔ اس طرح ہم ملک کی ایک بڑی آبادی کو اپنی قومی جدوجہد سے علحدہ کرنے کے ذمہ دار ہونگے۔

قائد ملی پارلیامنٹ مختلف اجلاس میں بار بار اس امر کی طرف توجہ دلاتے رہے ہیں کہ اس ملک میں مسلمانوں کو مکمل نظریاتی شہری بننے کے لئے جلد از جلد دستور میں وہ بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں جن کے زیر اثر مسلمانوں کے ملی نظریات اس ملک میں بلا خوف و بخطر پروان چڑھ سکیں۔ یہ بات جتنی جلد سمجھ لی جائے اس ملک کے حق میں اتنا ہی بہتر ہے کہ مسلمان ایک ایسا نظریاتی گروہ ہے جس کی زندگی کا سارا طریقہ الہی ہدایات پر منحصر ہے۔ جس میں دنیا کا کوئی شخص بھی تبدیلی نہیں لاسکتا۔ اور جب معاملہ ایمان اور یقین کا ہو تو ان مسائل میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

قائد ملی پارلیامنٹ ڈاکٹر راشد شاذ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ دستور میں واضح غیر اسلامی دفعات کی موجودگی کے باوجود گذشتہ پچاس سال سے ہماری ملی قیادت نے اس میں کسی قابل ذکر تبدیلی کے لئے کوئی موثر کوشش نہیں کی۔ وقتا فوقتا دفعہ چوالیس کو حذف کرنے کی باتیں تو ضرور کی گئیں لیکن یہ دبے لہجے والے مطالبات تھے جن پر خود ہماری ملی قیادت دبی دبی اور شرمندہ نظر آتی تھی۔ رہا قرآن اور دستور کے ٹکراؤ کو ختم کرنے کی بات اور مسلمانوں کو اس ملک کا نظریاتی شہری بنانے کا معاملہ تو ان مسائل پر گفتگو کرنے سے انہیں خوف آتا تھا۔ ان کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ وقتا فوقتا ان کیلئے قانونی اور دستوری مسائل پیدا کرکے وقت کا حکمراں ان کے معصوم مطالبات کے جلوس میں کچھ سہولتوں کا اعلان کردے اور بس۔

دفعہ 44 کے حوالے سے چند دنوں قبل مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر کا جو تازہ بیان وارد ہوا ہے اس میں محترم صدر نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کے راجیو گاندھی کے دور حکومت میں جب شاہ بانو کا قضیہ درپیش تھا۔ راجیو گاندھی نے بذات خود دفعہ 44 کو مسلمانوں کے حوالے سے غیر موثر بنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ہماری ملت قیادت کو تشویش ہے کہ آخر بار بار نئے نئے مسائل کیوں کھڑے کردیے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو کرم فرمائیوں کی ضرورت نہیں۔ نہ تو انہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی وزیراعظم خود کو ان کا ہمدرد بتائے اور نہ ہی انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ مسلسل منافقانہ سیاست کا شکار ہوکر مشرک سیاسی قیادت سے اپنی توقعات وابستہ کریں۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری ملی قیادت از سر نو دستور کی ان خامیوں کا پتہ لگائے اور مجوزہ ترمیمات کی ایک ایسی فہرست تیار کرے جس مسلمانوں کے پیغمبرانہ عزائم کا ساتھ دینے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہو۔ ورنہ چھوٹے موٹے مظاہروں، بجھی بجھی میٹنگوں اور بار بار وزرائے اعظم کے دروں پر دستک دینے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔

مسلم یونیورسٹی نئے وائس چانسلر کے دور میں داخل

مسلم یونیورسٹی کیمپس کی تازہ صورت حال پر ہمارے نمائندے کی رپورٹ

ایک طویل انتظار کے بعد بالآخر جناب محمود الرحمن صاحب نے علی گڑھ کے نئے وائس چانسلر کا عہدہ سنبھال لیا۔ طلبہ یونین اور اساتذہ کی تنظیم یعنی اسٹاف ایسوسی ایشن نے پرجوش انداز میں نئے وائس چانسلر کا استقبال کیا ہے۔ وائس چانسلر نے، ایسا لگتا ہے کہ ان مواقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طلباء واساتذہ کے سامنے اپنی ترجیحات پیش کرنے کے ساتھ اپنا ایجنڈا بھی رکھ دیا ہے۔

طلباء کے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کا اصل کام پڑھائی لکھائی ہے اور اسی پر بنیادی طور سے انہیں توجہ دینی چاہئے۔ انہوں نے بہت واضح لفظوں میں کہا کہ قانون کی خلاف ورزی اور ضابطہ شکنی برداشت نہیں کی جائے گی۔ کلاسوں سے غیر حاضری طالب علم کو امتحان میں بیٹھنے سے محروم کردے گی۔ رواں سال کے لئے انہوں نے نرمی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ 50 فیصد والوں کو امتحان کی اجازت ہوگی لیکن اگر کسی کی ایک فیصد بھی اس سے کم ہے تو بالکل اجازت نہ ہوگی۔ لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے زور دیکر کہا کہ لوگ کان کھول کر سن لیں کہ اگلے سال سے صد فیصد حاضری ضروری ہے۔ بلاوجہ کلاسوں سے غیر حاضری ناقابل برداشت ہوگی اور اس کا نتیجہ طالب علم کو خود ہی بھگتنا پڑے گا۔

وائس چانسلر نے یہ بھی کہا کہ پڑھائی لکھائی سے متعلق وہ ہر سہولت طلبہ کو فراہم کرنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے لائبریری کو 24 گھنٹہ کھلا رکھنے کا پہلے ہی حکم دے دیا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ انہوں نے طلبہ سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی محنت اور لگن سے پڑھیں۔ ان کے بقول ہر سال کم از کم ہزاروں لڑکوں کو آئی اے ایس کے امتحان میں بیٹھنا چاہیۓ اور کم از کم سو کو منتخب ہونا چاہیۓ۔

اس موقع پر طلبہ لیڈروں نے بھی حسب روایت تقریریں کیں۔ کچھ نے طلبہ کے عام مسائل وائس چانسلر کے سامنے رکھے۔ ایک صاحب نے اعتراف گناہ کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ گذشتہ دنوں حالات کو خراب کرنے میں ان کا بھی حصہ رہا ہے مگر ایک دوسرے صاحب جو سکریٹری شپ کا الیکشن کئی مرتبہ ہار چکے ہیں، عادت کے مطابق اساتذہ پر جم کر برسے۔ ان کے بقول یہاں ساری خرابی کی جڑ اساتذہ ہیں۔ مگر یونین کے ایک سابق سکریٹری نے طلبہ یونین کے موجودہ ذمہ داروں کو آڑے ہاتھوں لیا اور ان سے یونین کے پیسوں کا حساب مانگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہی لوگ ہر طرح کی غنڈہ گردی، رشوت خوری اور گروپ بندی کے لئے ذمہ دار ہیں۔

5 مئی کو اسٹاف ایسوسی ایشن سے بھی وائس چانسلر نے خطاب کیا۔ ان سے قبل ایسوسی ایشن کے نو منتخب سکریٹری عارف سہیل صاحب نے اپنی تقریر میں وائس چانسلر کے سامنے گذشتہ چار سال کے ناگفتہ بہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ ان کو درپیش کام آسان نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے وائس چانسلر کو یقین دلایا کہ ایسوسی ایشن ان سے ہر اچھے کام میں بھرپور تعاون کرے گی۔

جواباً وائس چانسلر نے کہا کہ یہاں آنے کے

بعد انہیں اندازہ ہوا کہ طلباء واساتذہ کے مابین زبردست خلیج پیدا ہوگئی ہے۔ حالانکہ یہ تاثر غلط ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

شہرت کی طرف خدائی بلے باز عمران خاں کی ایک اور چھلانگ

جمیمہ کے قبول اسلام نے مشرق و مغرب میں تہلکہ مچا دیا

گذشتہ دنوں پاکستان کے بلے باز عمران خان نے شہرت کی طرف ایک نئی جست لگائی ہے۔ مشرق اور مغرب ہر دو طرف اخبارات ورسائل ان کے چرچے سے بھرے ہیں۔ یوں تو عمران کے پاس پہلے بھی شہرت کی کمی نہ تھی لیکن فرق یہ ہے کہ اب شہرت کے ساتھ ساتھ بہت سی دولت اور ایک عدد عورت بھی ان کے حصے میں آئی ہے۔ جمیمہ گولڈ اسمتھ، جن کے والدین کا شمار لندن کے سات امیروں میں ہوتا ہے، اب پاکستان جانے اور وہاں اپنی ازدواجی زندگی شروع کرنے کی تیاری کررہی ہیں۔ واضح رہے کہ اپنے قبول اسلام کا اعلان وہ پہلے ہی کرچکی ہیں اور بقول عمران انہوں نے بہت ہی سوچ سمجھ کر خاصے مطالعے کے بعد اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے اسے محض شادی کے لئے تبدیلی ایمان کا معاملہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

لندن کے اخبارات جنھیں کسی کی خوانگی زندگی کے بارے میں تفصیلی رپورٹیں شائع کرنے کا خاص ملکہ حاصل ہے، اور جو اکثر و بیشتر شہزادی ڈائنا کے معاملات دل پر دل کھول کر لکھتے ہیں، آج کل عمران خان اور جمیمہ کی شادی پر زبان و قلم کے جوہر دکھارہے ہیں۔ ایک اخبار میں جمیمہ کی ایک ایسی تصویر شائع کی گئی ہے جس میں وہ شیمپین نوشی میں مصروف ہے۔ تصویر کے نیچے اخبار نے عنوان لگایا ہے "پچاس کوڑوں والی تصویر" یعنی اس حالت میں اگر وہ پاکستان میں پائی جائے گی تو اسے پچاس کوڑوں کی سزا ہوسکتی ہے۔ ایک اخبار نے اسی تصویر پر بڑی حسرت و یاس کے ساتھ عنوان لگایا ہے۔ "ہائے! اب جمیمہ کبھی بھی شراب نہیں پی سکے گی"۔ جمیمہ کے قبول اسلام سے ایک بار پھر مغرب میں اسلام ایک زندہ بحث کا موضوع بن گیا ہے۔ لوگ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہیں کہ امیر وکبیر گھرانے کی 21 سالہ دوشیزہ جمیمہ کے پاس آخر کس چیز کی کمی تھی کہ اس نے اسلام قبول کرنے اور عمران خان کے ساتھ پاکستان جاکر رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔

> پاکستانی اگر اپنے سیاسی قائدین کی ذاتی زندگی کو اپنی ملی اور ثقافتی آرزوؤں کے تابع دیکھنے کے اتنے ہی عادی ہوتے یا قیام اسلام اور غلبہ اسلام کے حوالے سے اپنے قائدین کے انتخاب پر اتنے حساس ہوتے تو ان کے منتخب کردہ حکمرانوں کے نام نواز شریف اور بے نظیر بھٹو تو ہر گز نہ ہوتے۔

دوسری طرف پاکستان میں عمران خاں کے بہت سے چاہنے والے اس رشتے سے خوش دکھائی نہیں دیتے۔ انہیں افسوس ہے کہ خدائی بلے باز کو آخر لندن میں شادی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کینسر اسپتال کے قیام کے بعد بہت لوگ عمران خاں کو پاکستان کی سیاست میں متحرک دیکھنا چاہتے تھے۔ خود عمران نے گذشتہ دنوں اپنی سیاسی سرگرمیاں تیز کردی تھیں۔ ان کی مقبولیت کا گراف مسلسل اوپر اٹھتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اخبارات، انہیں مستقبل کا وزیر اعظم بھی لکھنے لگے تھے۔ کینسر اسپتال کے قیام نے عمران کی ایک محب وطن اور سچے خادم کی تصویر ابھارنے میں بڑی مدد کی ہے۔ اب ایک ایسے موقع پر جب عمران کی سیاسی زندگی کا آغاز ہی ہوا تھا ایک یورپی خاتون کو اپنا شریک حیات بنانا ہوسکتا ہے عمران کے بعض چاہنے والوں پر گراں گزرے۔ پھر دشمنوں کو اس بات کا موقع مل سکتا ہے کہ وہ جمیمہ کے نصف یہودی نژاد ہونے پر غلط فہمیوں کا ایک طوفان کھڑا کردیں یا بعض لوگ عمران کی شادی کو یہودی سازش سے تعبیر کریں اور یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ پاکستان کے مستقبل کے وزیر اعظم کو یہودیوں نے

اپنے سازشی جال میں پھانسنے کے لئے جمیمہ کو ان پر مسلط کردیا ہے۔ اس قسم کی باتیں پاکستان میں دلچسپی سے سنی جائیں گی۔

جمیمہ کا اسلام مستند ہے یا نہیں اس بارے میں حقیقت تو اللہ ہی معلوم ہے۔ البتہ ایک مسلمان کی حیثت سے ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی کے اسلام کو شبہہ کی نگاہ سے دیکھیں۔ جمیمہ کے لئے قبول اسلام کا محرک خواہ کچھ بھی ہو اسے خوش آمدید کہنا چاہئے۔ جہاں تک یہودی سازش کا نکتہ ہے تو یہ میرے خیال میں ہمارا اپنا نفسیاتی خوف ہے ورنہ پاکستان میں آخر کون سے غیر اسلامی کام نہیں ہورہے ہیں یا کون سی یہودی سازش کامیاب نہیں ہورہی ہے جس کے لئے یہودی دنیا جمیمہ کا سہارا لینا چاہے گی؟ رہی بات عمران خان کے سیاسی مستقبل کی تو ہمارے خیال میں جمیمہ سے ان کی شادی ان کے سیاسی کیریر پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالے گی۔ اس لئے کہ پاکستانی اگر اپنے سیاسی قائدین کی ذاتی زندگی کو اپنی ملی اور ثقافتی آرزوؤں کے تابع دیکھنے کے اتنے عادی ہوتے یا قیام اسلام کے حوالے سے اپنے قائدین کے انتخاب کے بارے میں اتنے ہی حساس ہوتے تو ان کے منتخب کردہ حکمرانوں کے نام نواز شریف اور بے نظیر بھٹو تو ہر گز نہ ہوتے۔ ہاں یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ اپنے قومی ہیرو عمران کی اتباع میں پاکستانی نوجوانوں کے غول کے غول لندن کی گلیوں میں کسی جمیمہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں اور کیا پتہ کہ بہت سے پاکستانی نوجوان اس آسان طریقے سے دولت مند بننے کا خواب بھی دیکھنے لگے ہوں۔

1۔ سرکاری جونیر ہائی اسکول میں ٹیچر 30 سالہ شخص (قد 5 فٹ 9 انچ) تعلیم ڈبل ایم۔ اے، ایل ایل بی، بی ٹی سی، ادیب کامل، گھریلو پیشہ فارمنگ کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات بشرط واپسی تصویر ارسال فرمائیں۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 172

2۔ عقد ثانی کے متمنی 35 سالہ سنی پٹھان (قد 5 فٹ 8 انچ) تعلیم ایم۔ اے کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔ دہلی کے رشتوں کو ترجیح دی جائے گی۔ طلاق شدہ اور بیوہ خواتین بھی رجوع کر سکتی ہیں۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 173

3۔ شیخ صدیقی خاندان کے عقد ثانی کے متمنی 37 سالہ ڈپٹی کلکٹر کے لئے 25 سے 35 سال کے درمیان کی مذہبی رجحان کی دیندار لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 174

4۔ مشرقی یوپی کے صدیقی خاندان کی باشعور وسلیقہ مند پوسٹ گریجویٹ لڑکی (عمر 27 سال، قد ساڑھے پانچ فٹ) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 175

5۔ دین دار، ماہر امور خانہ داری، بی۔ اے سکنڈ ایر کی طالبہ جس نے کمپیوٹر کا کورس بھی مکمل کر لیا ہے (عمر 20 سال قد 5 فٹ رنگ گورا) کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 176

6۔ امور خانہ داری میں ماہر بی ٹی سی بی۔ اور آئی آئی ٹی آئی ٹیلرنگ، ادیب کامل کی سند یافتہ مطلقہ (عمر 30 سال، قد 5 فٹ 3 انچ کے لئے مناسب رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 177

7۔ سعودی عرب میں سیلز ریپرزنٹیٹو کی حیثیت سے معقول تنخواہ پانے والے تیس سالہ خوبرو نوجوان (قد 5 فٹ گیارہ انچ، تعلیم انٹرمیڈیٹ) کے لئے مذہبی، سلیقہ مند، گھریلو اور وسیع الذہن لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 178

8۔ کپڑے کے ذاتی بزنس سے بیس ہزار ماہو آمدنی رکھنے والے تیس سالہ گریجویٹ کے لئے مہذب خاندان کی ڈاکٹر لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات بشرط واپسی لڑکی کی تصویر اور تفصیل ارسال فرمائیں۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 179

9۔ سنی سید خاندان کی پوسٹ گریجویٹ لڑکی (عمر 25 سال قد پانچ فٹ ایک انچ) جو پابند صوم و صلوٰۃ اور پردے دار ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 180

10۔ مشرقی یوپی کے تعلیم یافتہ شیعہ سید گھرانے کی گریجویٹ لڑکی کے لئے جو عمر، رنگ اور قد ہر اعتبار سے مناسب ہے موزوں رشتہ درکار ہے

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 181

11۔ نجیب الطرفین سید متوسط حیثیت رکھنے والے خاندان کی خوبصورت سلیقہ مند گریجویٹ لڑکی (عمر 22 سال) کے لئے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 182

12۔ سنی سید خاندان کے سعودی عرب میں مارکٹنگ ایکزیکیٹو کی حیثیت سے 60 ہزار روپیہ کمانے والے پوسٹ گریجویٹ ایم فل ڈگری یافتہ لڑکے (عمر 28 سال، قد 174 سینٹی میٹر) کے لئے مہذب اور تعلیم یافتہ خاندان کی خوبصورت اور سلیقہ شعار لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 183

13۔ متمول اعلی سنی سید گھرانے کی خوبصورت، ذہین اور سلیقہ مند لڑکی ایم اے فائنل کی طالبہ (عمر 22 سال، قد 5 فٹ 3 انچ) جس کے پاس انٹیریر ڈیکوریشن کا ڈپلومہ بھی ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 184

14۔ ایک صاحب جن کی عمر تقریبا 29 سال ہے اور جن کے پاس مرحومہ بیوی سے تین بچے ہیں ایسے گھرانے میں عقد ثانی کے متمنی ہیں جہاں وہ اپنے بچوں کے ہمراہ رہ بھی سکیں۔ اور وہیں کا فراہم کردہ کوئی روزگار بھی کر سکیں۔ لڑکی کی عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ جن صاحبان کو یہ شرائط منظور ہوں ضرور رابطہ قائم کریں۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 185

15۔ بڑے بھائی کے ساتھ مشترک کاروبار سے وابستہ ذاتی مکان کے مالک آٹھ ہزار روپئے کی ماہانہ آمدنی رکھنے والے گریجویٹ لڑکے (عمر 27 سال، قد 5 فٹ 7 انچ وزن 70 کلو گرام) کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ جہیز کا کوئی مطالبہ نہیں۔ لیکن شادی کے اخراجات کے لئے 65 ہزار روپئے کے علاوہ الگ کاروبار یا سعودی عرب میں اچھی ملازمت کے لئے بھی رقم کی ضرورت ہے۔ خواہش مند حضرات رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمبر 186

16۔ مدھیہ پردیش میں مقیم متوسط طبقے کے مہذب خاندان سے تعلق رکھنے والی کانونٹ کی تعلیم یافتہ فی الحال ایم ایس سی کی طالبہ خوبصورت اور سلیقہ مند لڑکی (عمر 20 سال) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے والد کا ذاتی پریس ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز باکس نمر 187

شرح اشتہار

اس کالم کے تحت شائع ہونے والے اشتہار کی شرح حسب ذیل ہے۔

اندرون ملک فی اشتہار	100 روپئے
بیرون ملک فی اشتہار	10 امریکی ڈالر

اشتہارات کی اشاعت کے جواب میں آنے والے خطوط ہم پوری مستعدی سے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک آپ کی خدمت میں ارسال کر دیتے ہیں۔

اشتہار کے ساتھ مطلوبہ رقم "ملی ٹائمز انٹرنیشنل" کے نام بذریعہ ڈرافٹ پیشگی آنا ضروری ہے۔

خلیج جائیے

REQUIRED URGENTLY

1) **UPS ENGINEERS :**
- Electrical Engineering Degree with 3-5 years experience in UPS Systems installation, start up, commissioning and maintenance, Battery charging, Rectifiers, Inverters, Power electronics.

2) **ELECTRICIANS :**
- 3-5 years experience in electrical installations, layout of cabling, connection of panel boards.

3) **AUTO CAD DRAFTMEN :**
- Diploma in drafting (University Degree is a plus)
- 3 years experience in Auto Cad Version 12.0 and operation of Digitizer and AO size plotter.
- Knowledge of DOS 6.2 and Windows 3.1

4) **A/C TECHNICIANS :**
- Diploma in Airconditioning, with 3-5 years experience in Installation, Commissioning and maintanance of A/C equipment.

Qualified to send CV's to
P.O.Box 43379, Riyadh 11561
or Fax to (01) 476 3810.

URGENTLY REQUIRED

A leading Saudi Manufacturing Company is looking for a qualified:

CONTRACT PROCUREMENT REPRESENTATIVE

Degree in Electrical Engineering or Equivalent, Experience with at least 5 years in contracts procurement in a manufacturing environment. Familiar with purchase order process. Encompasses all aspects of technical procurement such as source selection, price negotiation, delivery, products and suppliers reliability, conditions of acceptance and evaluation. Must be a computer literate.

Professional candidates only may send their resumes by fax 220-1355 or mail to:

Recruiting Manager
P.O.Box 90916
Riyadh 11623

HALIFAX CORPORATION, an electronic services and facilities support company is preparing to bid on a solicitation to provide telecommunications equipment services in Saudi Arabia.

To support this effort, we are interested in identifying and contracting qualified candidates for the following positions. Successful candidates, who are willing to participate in our proposal effort, will receive first offer of employment status upon successful award of the contract.

MANAGERS / SUPERVISORS

5 to 8 years experience in the operation, maintenance and repair of the following digital patch and access (DPAS) System : Microwave ; Outside cable plant ; Tower maintenance ; And ground mobile (GMF) gateway.

TECHNICIANS

Minimum 2 years experience in the above listed DPAS, plus 2 years of installation, maintenance, repair of multiple conductor aeril, underground and buried multipurpose communications cable to include coaxial and fiber optic.

All positions require that applicants selected will be subject to a security investigation.

Respond with detailed resume of experience and qualifications to:

P.O.BOX 38756, Dhahran (Doha) 31942, Saudi Arabia
Fax : 00966 03 891 1656

CIVIL ENGINEERING OPPORTUNITIES - RIYADH
(SAUDI NATIONALS PREFERRED)

A leading Saudi Arabian financial institution has the following vacancies based within the Premises Management Division at Head Office in Riyadh.

CIVIL ENGINEER: (Ref: CEI)

Academic qualification must include a degree in Civil Engineering, with a minimum of 10 years experience in managing large commercial building construction, refurbishment and maintenance projects. Strong project management experience together with excellent communication skills is must.

Additional vacancies exist for qualified Engineering professionals with the following skills:

- ☐ Architectural Engineers (Ref: AE1)
- ☐ Mechanical Engineers (Ref: ME1)
- ☐ Electrical Engineers (Ref: EE1)
- ☐ Quantity Surveyors (Ref: QS1)
- ☐ Draftsmen (Ref: DM1)

Qualifications must include extensive practical experience of working in large commercial building construction, refurbishment and maintenance projects. Bilingual communication skills and knowledge of various PC software package such as AUTOCAD

The organization offers a comprehensive compensation package including a competitive salary, housing allowance, end of service award and medical cover.

Fully qualified candidates should direct their detailed resumes, quoting appropriate reference number and including current compensation to:

RECRUITMENT DEPARTMENT
P.O.BOX 22613 - RIYADH 11416
or FAX TO: 405 7353

CAREER OPPORTUNITY

A leading Saudi Company requires a self motivated candidate in the following domain:

INSTRUMENTATION ENGINEER

Having a Bachelor Science in Electrical Engineering or Electronics, with a minimum of 7 - 10 years experience in the following disciplines:

- Sales , Degree & Commissioning of H.V.A.C. Control Systems
- Knowledge of Low Voltage Control Panels.
- Knowledge of PC Computers, Auto CAD, Word For Windows.
- Fluent English,Written and Spoken.

Apply your CV to the following address:

The Administration Manager
P.O.Box 9698,
Dammam 31423, K.S.A.

REQUIRED URGENTLY

A LEADING DAIRY COMPANY HAS VACANCIES FOR TWO SELF MOTIVATED TETRA PAK SUPERVISORS/TECHNICIANS. CANDIDATES SHOULD BE AGED BETWEEN 30 - 35 YEARS WITH AT LEAST 5 YEARS OF PRACTICAL EXPERIENCE AS TETRA PAK SUPERVISOR/TECHNICIAN WITH FOLLOWING REQUIREMENTS:

- THOROUGH KNOWLEDGE OF TETRA PAK MAINTENANCE. CAPABLE OF IMPLEMENTING THE PLANNED & PREVENTIVE MAINTENANCE.
- MINIMUM QUALIFICATION SHOULD BE AN INTERMEDIATE. PREFERENCE WILL BE GIVEN TO DIPLOMA HOLDERS IN MECHANICAL.
- KNOWLEDGE OF PRODUCTION/MANPOWER PLANNING.
- ISO 9000
- FLUENT SPOKEN AND WRITTEN ENGLISH. KNOWLEDGE OF ARABIC IS AN ADVANTAGE.
- SHOULD BE COMPUTER LITERATE.

PLEASE SEND YOUR C.V.'S TO:
PLANT MANAGER
P.O. BOX 6905, JEDDAH - 21452, SAUDI ARABIA

کہیں آپ ناقص عقل اور اوندھی منطق کا شکار ہوکر اسلام سے دور تو نہیں ہوتے جارہے ہیں

پھر یہ جسم کی نمائش، غیر محرموں سے خلوت اور سود سے چشم پوشی کیوں؟

فی زمانہ ہمارے معاشرے میں بعض ایسے مریضانہ عوامل داخل ہوگئے ہیں جن سے مادہ پرستی کے رجحان کو فروغ ملا ہے اور اس کے نتیجے میں اخلاقی اقدار گویا مادیت کے سیلاب کی نذر ہوگئی ہیں اور شہری توسیع اور اس کی مسلط کردہ لعنتوں کے ہجوم میں آج کا انسان اپنے مسائل کا حل وسائل سے ڈھونڈنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کی نگاہ مادے کے آگے اور کچھ دیکھ نہیں پارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے حلال وحرام کے احکام سے چشم پوشی اور بسا اوقات ان کو ہیچ گرداننے سے بھی نہیں چوکتا۔ شرعی مقاصد کے تئیں اس کے جہل نے اسے مسائل حیات کے حل کی تلاش میں ناقص عقل اور اوندھی منطق کا خوگر بنادیا ہے۔ یہ خرابی نہ صرف خاندانی سطح پر بلکہ انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

اس خرابی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ لوگوں نے اسلام کے ایک عظیم مبدا ومنبع کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہیں جو کسی بھی تبدیلی اور انقلابات دہر سے مبرا ہے اور وہ قرآن اور سنت اور یہی دونوں چیزیں شریعت اسلامی کا سرچشمہ بھی ہیں۔ اور جب ہم قرآن وسنت کو شریعت کا مبدا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جو اپنے اثر اور اس کے نتیجے میں کوئی فساد اور خرابی پیدا کرتی ہے وہ حرام کے زمرے میں شمار ہوگی۔ مثلاً یہ کہ اللہ نے عورت کے لئے اپنے جسم کی نمائش کو ممنوع قرار دیا اب اسی مناسبت سے عورت اور مرد کے ستر کی تحدید کی گئی کہ جس کا منشاء یہ ہے کہ عورت کا جسم دعوت نظارہ کا ذریعہ نہ بنے اور لوگوں کی نگاہیں ادبدا کر اس کی طرف نہ اٹھنے لگیں۔ آج جن معاشروں میں انسانی مساوات جنسی برابری اور ترقی کی حمایت کے بہانے عقل ومنطق کی بیساکھی لگا کر عورتوں کے جسم کی نمائش کے لئے داد وتحسین کے لئے ہر شعبہ حیات میں انہیں آگے لایا جارہا ہے وہاں ترقی کے خود ساختہ نشانے تو ضرور حاصل کرلیے گئے ہیں

> **اگر کسی کو کوئی خراب چیز دی جائے تو اس کو لوٹا دیتا ہے یا پھینک دیتا ہے یہی حال گالی کا ہے کہ جس کو دی جاتی ہے وہ اسے لوٹا دیتا ہے۔**

لیکن اس کے ساتھ ان معاشروں کو اس آزادی کی بڑی قیمت بھی چکانی پڑی ہے وہ اس طرح کہ بے حیائی کی پروردہ جنسی بے راہ روی کے نتیجے میں سامنے آنے والے غیر ازدواجی تعلقات، بن بیاہی اور کم سن ماؤں جیسے مسائل نے بے پناہ سماجی، اخلاقی اور قانونی الجھنیں پیدا کردی ہیں اور قبر کا حال بس مردہ ہی جانتا ہے۔

ایک اور مثال سود کی ہے۔ رسول اکرم صلعم نے سود خور، اس کی حمایت کرنے والے اور اس کے کام میں کسی طرح سے شریک رہنے والے پر لعنت بھیجی ہے کیونکہ ان سے گناہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور حرام فعل کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ کے رسول نے صرف شراب اور اس کے پینے والے پر ہی لعنت نہیں بھیجی بلکہ اس کے کشید کرنے والے پر اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والے، پلانے والے پر بیچنے والے پر اس کی آمدنی کھانے والے پر اور خریدنے والے پر بھی لعنت بھیجی کیونکہ یہ سارے افراد فعل حرام کے ارتکاب میں ایک دوسرے کے ممد ومعاون ہیں اور ایک ساتھ مل کر برائی کو پھیلا رہے ہیں۔

نبی صلعم نے کسی غیر مرد اور غیر عورت کو خلوت میں اس لئے رہنے سے منع کیا کہ شیطان انہیں بہکا سکتا ہے۔ جس سے کہ وہ فحاشی کا مرتکب ہوسکتے ہیں۔ قبروں کے پاس مسجد بنانے اور نماز ادا کرنے سے ممانعت میں بھی رسول اکرم صلعم کے نزدیک یہی حرمت تھی کہ لوگوں کو شرک میں پڑنے سے بچایا جائے۔

رسول صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اور اس کی خالہ یا پھوپی یا چچی سے یا دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا جائے کیونکہ اس طرح مرد قطع رحم کا مرتکب ہوتا ہے۔

اجتماعی معاملات میں خواہ ہم مذہبوں سے واسطہ ہو یا غیر مذہب والوں سے اسلام ہر جگہ سلامت روی کی تلقین کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالی نے اس بات سے مومنوں کو باز رہنے کی ہدایت کی ہے کہ وہ مشرکوں کے دیوی دیوتاؤں کو گالی دیں کیونکہ اس سے مشرکوں کی طرف سے عناد ودشمنی کے اظہار کا راستہ کھلے گا اور وہ ہمارے معبود کی شان میں کلمات بد کہیں گے۔ ایک موقع پر رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ نبی صلعم سے استفسار کیا گیا کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کیسے بھیج سکتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا اسی طرح اگر کسی کو کوئی خراب چیز دی جائے تو وہ اس کو لوٹا دیتا ہے یا پھینک دیتا ہے یہی حال گالی کا ہے کہ جس کو دی جاتی ہے وہ اسے لوٹا دیتا ہے۔

جب تک آدمی جنابت سے پاکی حاصل نہ کرے رحمت کے فرشتے اس کے قریب نہیں آتے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال: میری بیوی بڑی جھگڑالو ہے۔ میرے ماں باپ سے لڑتی رہتی ہے۔ میری ماں چاہتی ہے کہ میں بیوی کو طلاق دیدوں۔ میں والدہ اپنے بچوں اور طلاق ہونے کی صورت میں ان کی مشکلات کے خیال سے پریشان ہو جاتا ہوں۔ میں دیندار نوجوان ہوں میں نہیں چاہتا کہ طلاق کے بعد اللہ کے غضب کا مستحق قرار پاؤں اور نہ ہی مجھے یہ گوارہ ہے کہ والدین کی ناراضگی مول لوں جن کی اطاعت مجھ پر اللہ کی جانب سے فرض کی گئی ہے۔ عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث میری نظر سے گذری ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی ایک بیوی تھی جس سے وہ محبت کرتے تھے اور ان کی ماں چاہتی تھیں کہ وہ بیوی کو طلاق دیدیں۔ تو وہ رسول اکرم صلعم کے پاس استفسار کرنے کے لئے آئے تو حضور صلعم نے انہیں طلاق کا حکم دیا۔

جواب: ابن عمر کے معاملہ کا تعلق ان کی ماں سے نہیں بلکہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے تھا۔ جس معاملہ کا ذکر اپنی بیوی اور ماں کے حوالے سے آپ نے کیا ہے اس میں ایک بات واضح ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی بیوی اپنی ساس یعنی آپ کے والدہ کو اذیت پہنچاتی ہے اور آپ کے لئے مناسب نہیں کہ اسے اس حالت میں قائم رکھیں یعنی اسے کسی طرح شہ دیں۔ پس اگر آپ کر سکیں تو اسے منع کریں کہ وہ لڑائی جھگڑے سے باز آئے۔ آپ اپنی ماں اور بیوی کے درمیان صلح وصفائی بھی کرا سکتے ہیں اور اگر ممکن ہو تو دونوں کے لئے الگ الگ رہنے کا انتظام کر دیں یہی آخری حل ہو سکتا ہے اور ان میں سے کوئی تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور آپ کی بیوی ساس سے لڑائی بھڑائی بند نہ کرے اور اس پر لعن طعن کرتی رہے تو اپنی والدہ کی اطاعت میں بیوی کو طلاق دیدیں اور اسے پہنچنے والے ممکنہ ضرر کا ازالہ کر دیں۔ اور جو شخص اللہ کے لئے کسی چیز سے دست کش ہوتا ہے تو اللہ اسے بہتر بدل فراہم کر دیتا ہے۔ اور ہر حال میں اپنی استطاعت کے مطابق معاملات کو حل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اور طلاق کو صرف آخری حل کے خانے میں رکھیں جس پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں۔

سوال: ایک لڑکی نے کسی شخص کے بارے میں اپنے گھر والوں سے سن رکھا ہے کہ وہ بڑا دیندار ہے اور اچھے اخلاق والا ہے گھر والے اس کی شادی اس سے کرنا چاہتے ہیں لیکن لڑکی کو اس کے گھر والوں کی غیبت وچغل خوری کی عادت کی بنا پر یہ رشتہ منظور نہیں ہے کیا اسے انکار کرنے کا حق ہے

جواب: اگر لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے کی دینداری، دیانت داری اور حسن اخلاق کا اطمینان کر کے شادی کے لئے اس کا انتخاب کیا ہے تو لڑکی کو چاہیے کہ یہ رشتہ منظور کر لے، جہاں تک سوال اس لڑکے کے گھر والوں کا ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں تو یہ سارا عمل خود ان کے ساتھ ہے جس کی بنا پر مناسب کفو کے لڑکے کے ساتھ شادی کی تجویز کو رد کرنا مناسب نہیں ہے ممکن ہے کہ آئندہ نصیحت وخوف خدا کے زیر اثر ان کی اس قبیح عادت میں سدھار آجائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ لڑکے کے گھر والے جب بیٹھے ہوئے غیبت میں مصروف ہوں تو اس وقت وہ شریک مجلس نہ ہو۔ ایسی کسی بات کی وجہ سے جس کا تدارک ممکن ہو شادی کی تجویز کو رد کر دینا دانائی نہیں ہے بلکہ لڑکے کے اس رشتے کی خیر وبرکت کو قبول کرنا چاہیے۔

سوال: میں شادی شدہ نوجوان ہوں۔ میرا بچہ ملاقاتی کمرہ میں بچھے ہوئے قالین پر جابجا پیشاب کر دیتا ہے جن میں بعض کا تو مجھے علم رہتا ہے کہ کہاں کہاں پیشاب کر رکھا ہے مگر بعض جگہوں کا اندازہ نہیں ہو پاتا اور مجھے یہ خیال دامن گیر ہو جاتا ہے کہ پورا قالین ناپاک ہو گیا ہے۔ جن جگہوں پر پیشاب کا شبہ تھا اسے پانی سے دھو کر اچھی طرح سکھا لیا جاتا ہے۔ کیا وضو کی حالت میں اس قالین پر چلنے پھرنے سے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت پیش آئیگی یا وضو باقی رہے گا۔

جواب: صاحب سوال نے اگر نجاست لگی جگہوں کو اچھی طرح پانی سے دھو دیا ہے اور اس کا اثر زائل ہو گیا ہے تو اب وہاں پر نجاست باقی نہیں رہی اب اس پر چلنے پھرنے میں کوئی حرج نہیں اور وضو کرنے کے بعد اس پر پیر لگنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ اس سے نجاست دور کر دی گئی ہے۔ اور اگر بعض ایسی جگہوں پر نجاست باقی رہ گئی ہے جس کا علم نہیں تو وضو سے بھیگے ہوئے پیر کے ساتھ اس پر چلنا درست نہیں لیکن اگر پیر وضو کے بعد پوری طرح خشک کر لئے گئے ہوں تو اس قالین پر چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال: زید کا پیشہ تجارت ہے۔ وہ اپنے سامان تجارت کی اشیاء کو نقد بیچنے کی صورت میں مثال کے طور پر سو روپے میں دیتا ہے۔ تو دوسری صورت میں وہ اپنے گاہک سے سامان کی قیمت سال بھر کے اندر قسطوں میں وصول کرتا ہے اس طرح اسے ایک سو بیس روپے ملتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے۔

جواب: جامعہ ازہر کی فتوی کمیٹی کے ممبر شیخ محمود عبدالتجلی خلیفہ اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ کسی سامان پر متعین کردہ نقد قیمت کو اس پر اضافے کے ساتھ بالاقساط وصول کرنے میں کوئی قباحت یا گناہ نہیں ہے۔ اور اس زائد رقم کا شمار سود میں نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احتیاط کی مدت کی بھی اپنی کوئی قیمت ہے۔ یعنی یہ کہ اگر تاجر مذکور بیچنے کے وقت گاہک سے پوری قیمت وصول کر لیتا تو وہ رقم سے اس طور پر منافع کماتا اور مال خرید کر لاتا پھر دوبارہ اسے بیچتا تو اس کی آمدنی اور کمائی میں اضافہ ہوتا۔ لہذا خریدار جس نے چیز تو لے لی ہے لیکن تاجر کو تھوڑے تھوڑے کر کے اس کی قیمت ادا کرتا ہے اور وہ تاجر کو شے مذکور کی قیمت سے دوبارہ مال خریدنے اور اس پر نفع کمانے کے مواقع سے محروم کر رہا ہے۔ اسی لئے اسلامی شرع کی رو سے اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے مال کی قیمت کی وصولی کے لئے اس انتظار کے بدلے نقد قیمت پر اضافہ کی صورت میں لے۔ یہ طریقہ بائع اور مشتری دونوں کے لئے جائز ہے۔

سوال: میرے ماموؤں نے میری ماں پر تہمت لگائی ہے کہ انہوں نے ان پر سحر کروایا ہے اور ماں کا کہنا ہے کہ ماموں لوگوں نے جھوٹ گڑھا ہے۔ معاملہ اور سنگین اس بناء پر ہوگیا ہے کہ ماموؤں نے میرے بھائیوں کو بھی اپنی طرف کر لیا ہے۔ میں خود اس طرح کی باتوں میں یقین نہیں کرتا میرے سامنے مشکل یہ ہے کہ میں اپنے ماموؤں اور بھائیوں سے کیا کہوں۔

جواب: جامعہ امام محمد میں استاذ شیخ صالح السدلان کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک آپ کے ماموؤں کی طرف سے آپ کی والدہ پر سحر طرازی کا الزام ہے تو اس پر توجہ دینے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ایک پریشانی ضرور ہے جس کے اسباب کا پتہ لگانا اور اس کا ازالہ کرنا ازحد ضروری ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی والدہ اور ان کے بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف یا کشمکش ضرور ہے جس کا سد باب ہونا چاہئے۔ جہاں تک الزام تراشی کا تعلق ہے تو اس کی بنیاد پر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خود اتہام کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ خاندان کے ذمہ دار افراد بہن اور بھائیوں کے معاملے میں مداخلت کر کے ان کے اختلافات کو دور کرادیں۔ اس معاملے کے تمام پہلوؤں کا پوری توجہ سے مطالعہ کرنے پر عین ممکن ہے کہ ان اسباب تک رسائی ہو جائے جن کی بناد پر دونوں میں ناچاقی چل رہی ہے اور الزام اور جواب الزام کی نوبت آگئی ہے۔

خواتین کی صحت پر حمل کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

"میں نے کبھی محسوس ہی نہیں کیا کہ میرے وجود پر کوئی بوجھ لاد دیا گیا ہے"

حمل کے تئیں رجحان ورویے کا متوقع ماؤں کی صحت پر قابل ذکر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً چار سال سے زچگی وولادت کی معلمہ کے فرائض انجام دینے والی چھتیس سالہ خاتون جولی کاروز نے اپنے اس ذاتی احساس کا اظہار کیا ہے کہ انہیں حاملہ ہونے کے تصور سے خوشی ہوتی تھی اور اس کے بعد کے نو ماہ کے دوران کبھی بھی مایوسی نہیں ہوئی اس لئے کہ شروع سے ہی انہوں نے مثبت رویہ اختیار کیا۔ ان کی امید کے مطابق ان کے یہاں لڑکے کی ولادت ہوئی اور عزیز واقارب نے جس خوشی کا اظہار کیا اس سے انہیں مزید تقویت حاصل ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ بہت سی مائیں ولادت وحمل سے متعلق منفی رویہ اس لئے رکھتی ہیں کہ غیر شعوری طور پر وہ اپنی ماؤں کے بیان کردہ ناخوش گوار تجربات سے متاثر رہتی ہیں جو ان کی یادداشت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ چونکہ وہ خود یوگا کی معلمہ ہیں اور پابندی سے ضروری ورزشیں کرتی ہیں اس کے علاوہ وہ اکوپنکچر اور علاج بذریعہ خوشبو اور چینی جڑی بوٹیوں جیسے دیگر متبادل طریقوں سے بھی وقتاً فوقتاً مدد لیتی ہیں اس لئے ان کا خیال ہے کہ اپنے جسم سے انہوں نے ایک ربط خاص کر قائم رکھا ہے جس نے حالت حمل میں انہیں کبھی خائف نہیں کیا۔

موصوفہ کا کہنا ہے کہ انہیں یہ کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ کوئی بوجھ سا ان کے وجود پر رکھ دیا گیا ہو۔ علاوہ اس کے کہ کوئی غیر معمولی تبدیلی ان کے اندر پیدا ہورہی ہے جو انہیں خود کی اور پیٹ میں پلنے والے بچے کی زیادہ دیکھ بھال پر اکسارہی ہے اور زیادہ پرسکون محسوس کرنے کے لئے انہوں نے ہلکی مالش اور اکوپنکچر کی نشستوں میں اضافہ کردیا۔ وہ اپنے جسم کی تبدیلیوں پر برابر نگاہ رکھتی تھیں۔ اور کچھ گرانی محسوس ہونے پر یہ بآسانی سمجھ لیتی تھیں کہ اس کی کیا وجہ ہے یعنی کہ بچے کا سر بلیڈر سے لگ رہا ہے اور یہ کیفیت مستقل رہنے والی نہیں ہے۔ وہ حالت حمل کے وسط میں اتنی چاق وچوبند تھیں کہ اپنے شوہر کے ہمراہ بیرونی ممالک کی سیر بھی کر آئیں اگر چہ لوگ کہتے ہی رہے کہ یہ زمانہ باہر نکلنے کا نہیں ہے۔ انہیں یہ بات اچھی لگی کہ اس حالت میں خوش وخرم سیر وتفریح کرتے ہوئے پاکر لوگ انہیں ستائش کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے بلکہ اگر کوئی یہ بات محسوس نہ کرتا تو انہیں قدرے مایوسی بھی ہوتی۔ آنے والے بچے سے ان کے شوہر کے لگاؤ سے بھی ان کی بہت ہمت بندھی۔ کھانے پینے میں بھی انہوں نے کیلوری کی مقدار کا کوئی خاص خیال نہ رکھا کیونکہ ان کا جسم کبھی فربہ نہ تھا۔

اب ایک دوسری مثال پر آیئے۔ اتیس سالہ نیکولا ٹمٹار کے یہاں دو سال قبل ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ ابتدا میں انہوں نے حمل سے متعلق اپنا رویہ خاصا صحت مند رکھا لیکن جلد ہی جسم میں اور معمولات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں نے انہیں کچھ پریشان سا کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدت حمل سے ایک سال قبل وہ اتنی دبلی ہوگئیں کہ اس سے پہلے زندگی میں کبھی نہیں تھیں۔ اور اب اس حالت میں آنے کے بعد ایک دم سے جسم بڑھنے لگا جو آگے چل کر ان کے لئے باعث تشویش بن گیا حالانکہ ماں بننے کا تصور ان کے لئے ہمیشہ خوش گوار تھا اور وہ اس مرتبہ کو پہنچنے کی دلی آرزو رکھتی تھیں۔ پستہ قد ہونے کی وجہ سے تیزی سے بڑھتا ہوا وزن اور جسم کے تناسب میں بے ڈول پن نے انہیں اکثر شاپنگ سنٹروں اور دیگر جگہوں پر آئینے کے سامنے کھڑے ہونے پر مغموم کیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے معالج نے بھی اس غیر معمولی فربہی پر کوئی دھیان نہ دیا۔ خصوصاً اس وقت انہیں بڑی کوفت ہوتی جب وہ مردوں کی مصاحبت میں ہوتیں کیونکہ وہ ایک تعمیراتی کمپنی سے وابستہ تھیں۔ ان کے رفقاء کار انہیں طرح طرح کے ہمدردانہ مشورے دیتے اور یہ سوچنے لگیں کہ یہ ان کے ذاتی معاملات میں ایک طرح کی مداخلت ہے۔ اور ایام حمل میں ہوتا یہی ہے کہ عورت کی نجی زندگی منظر عام پر آجاتی ہے۔ ان کے جسم نے لوگوں کو جو تاثر دیا اس سے وہ کچھ خوش نہ رہ سکیں۔ اس سے اتنی دل برداشتہ ہوگئیں کہ حمل کو اپنے جسم پر خارجی یلغار اور بچے کو عفریت تصور کرنے لگیں جس نے ان کی شناخت پر ڈاکہ ڈالا ہو۔

اس پر بقول ان کے ستم یہ ہے کہ ہر شخص انہیں جنین کی دیکھ بھال کے طریقے ہی سکھاتا رہتا تھا۔ ان کی خیر وعافیت سے کسی کو دلچسپی کم ہی تھی۔ انہوں نے بعض عورتوں سے سنا تھا کہ حمل کی حالت میں عورت کا حسن بڑھ جاتا ہے لیکن ان کا حسن تو کہیں سے بھی نہیں کھلا بلکہ گول مٹول اور بھدی ہی ہوگئیں۔ خیر ہوئی کہ ان کے شوہر نے ان کے ان تاثرات کو محسوس کرلیا اور ان کی بہت دلجوئی کی تاہم ایسی حالت میں خود کو سنبھالنا آسان بات نہیں تھی۔ آخری ماہ میں معاملات بدترین صورت اختیار کرگئے جب ان کا بلڈ پریشر حد درجہ بڑھ گیا اور کافی وقت انہیں شفا خانے میں گزارنا پڑا۔ انہیں اپنے جسم پر شدید غصہ آتا تھا کہ اسی نے انہیں اس قدر رسوا کیا ہے اور نکو بنایا ہے۔

بچے کی ولادت کے بعد بھی نیکولا پر یہ قنوطیت طاری رہی اور زندگی پر اعتماد کی بحالی میں انہیں کچھ عرصہ لگا جب رفتہ رفتہ ان کا وزن کم ہونے لگا اور بچے کی پرورش میں ان کی دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ آج جب کہ ان کا بچہ ماہ بہ ماہ بڑا ہورہا ہے اور وہ اپنے گذشتہ ردعمل پر پلٹ کر غور کرتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رویے میں بہت شدید تھیں۔ خیر سے اب وہ خود کو اگلے بچے کے لئے تیار پاتی ہیں۔

> آج جب کہ ان کا بچہ ماہ بہ ماہ بڑا ہورہا ہے اور وہ اپنے گذشتہ ردعمل پر پلٹ کر غور کرتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رویے میں بہت شدید تھیں۔ خیر سے اب وہ خود کو اگلے بچے کے لئے تیار پاتی ہیں۔

> موصوفہ کا کہنا ہے کہ انہیں یہ کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ کوئی بوجھ سا ان کے وجود پر رکھ دیا گیا ہو۔ علاوہ اس کے کہ کوئی غیر معمولی تبدیلی ان کے اندر پیدا ہورہی ہے جو انہیں خود کی اور پیٹ میں پلنے والے بچے کی زیادہ دیکھ بھال پر اکسارہی ہے۔

اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جو فریاد کررہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس علاقے سے نکال جہاں کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے حامی پیدا کر اور اپنی طرف سے مددگار فراہم کر دے۔ (النساء الآیۃ 75)

کیا آپ نے اب تک قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی؟

پھر آپ نے اب تک کیا کچھ کیا؟؟

ذرا سوچئے، غور کیجئے

اس سے پہلے کہ ہماری آنکھیں ہوجائیں

منجانب

جناب شکیل احمد مرزا صاحب کانپور

بقیہ کیا بال ٹھاکرے پاگل ہیں

بھروچہ سپریم کورٹ آف انڈیا میں بہت بڑی پوزیشن کے مالک بن گئے ہیں لیکن ان کی فطرت ہندو مخالف ہے۔ ایسی صورتحال میں ان سے غیر جانبداری کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ احمدی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بن گئے ہیں یہ زلزلے سے بھی بڑا اور بھیانک زلزلہ ہے۔"

بال ٹھاکرے کے وکیل جیٹھ ملانی نے سپریم کورٹ کو توہین عدالت کا نوٹس جاری کرنے سے روکنے کی بہت کوشش کی۔ انہوں نے دلیل دی کہ چونکہ مذکورہ مواد کی اشاعت کو چھ مہینے سے زائد کا عرصہ ہوگیا ہے اس لئے اسے فراموش کردینا چاہئے۔ اگر اسے اٹھایا گیا تو اس سے اس کو مزید شہرت حاصل ہوگی اس لئے میرا خیال ہے کہ اس باب کو بند کردینا چاہئے۔

اس پر جسٹس ورما نے کہا کہ ایسے سینکڑوں پاگل لوگ ججوں کو اس قسم کے گالیوں بھرے خطوط لکھتے ہیں جنہیں ہم ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں، ہم اس کیس میں بھی ایسا ہی کرتے مگر پونا کے ایک شہری مسٹر اے ایس گھاٹ پانڈے نے اس سلسلے میں عدالت میں بیان حلفی داخل کیا ہے اس لئے ہم توہین عدالت کا نوٹس جاری کررہے ہیں۔ جسٹس بھروچہ کے علاوہ بقیہ دو ججوں نے بھی ٹھاکرے کے ساتھ ساتھ روزنامہ لوک ستا کے ایڈیٹر کو بھی نوٹس جاری کیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ اخبار کی دس نومبر کی اشاعت میں ٹھاکرے نے لکھا تھا کہ عدالت میں ججوں کے ایجنٹوں کی تقرری ہوگئی ہے اس لئے عدلیہ سے ہمارا اعتماد اٹھ گیا ہے۔

> ٹھاکرے نے لکھا تھا کہ عدالت میں ججوں کے ایجنٹوں کی تقرری ہوگئی ہے اس لئے عدلیہ سے ہمارا اعتماد اٹھ گیا ہے۔

دریں اثنا اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جسٹس سردار علی خان نے بھی ٹھاکرے کے خلاف مقدمہ چلانے اور انہیں سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیشیوں کے خلاف انہوں نے جو زہر اگلا ہے وہ توہین عدالت کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ سپریم کورٹ اس مسئلے پر یہ فیصلہ سنا چکا ہے کہ "ان کو قانون کی رو سے ان کے ملک واپس بھیجا جاسکتا ہے" جب کہ ٹھاکرے زبردستی ان کو اٹھا کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔

آر۔ ایس۔ ایس۔ کے دانشور کہتے ہیں کہ

ہندوؤں کا صفایا کرنا مسلمانوں کا اسلامی فریضہ ہے

بلجیت رائے کی کتاب "کیا ہندوستان اسلامی ملک بنتا جارہا ہے؟" کا زہریلا پروپیگنڈہ

گزشتہ دنوں بلجیت رائے کی کتاب از انڈیا گوئنگ اسلامک؟ یعنی کیا ہندوستان اسلامی ملک بنتا جارہا ہے؟ شائع ہوئی ہے جس پر آرگنائزر نے ایک طویل تبصرہ کیا ہے۔ ہندو احیا پرستوں کے ذہن کو سمجھنے کے لئے ہم اس فکر سے قاری کو متعارف کرانا ضروری خیال کرتے ہیں۔

اندرا گاندھی کے آخری ایام میں نام نہاد اعتدال پسندانہ ہندوتو کے راستے پر چلنے کی ناکام کوششیں کرنے کے بعد کانگریس نے الٹرا سیکولر بننے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں نے انتخابات میں کانگریس کے تئیں انتقامی جذبے کا اظہار کیا ہے اس لئے اب وہ مسلمانوں کی علیحدگی پسندی کو ختم کرنے کے لئے جمہوری طریقے اختیار کررہی ہے۔ اور اب ملک کی سیدھی راہ چلنے والی واحد جماعت کانگریس کے لئے دوسری بڑی اقلیت کے ووٹ جیتنے کی بازی پھر سے شروع ہوگئی ہے۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد جتنے بھی انتخابات ہوئے ان میں مسلمانوں نے کانگریس کو ٹھکرا دیا اور اسی لئے وہ آئندہ لوک سبھا انتخابات میں کوئی بھی موقع ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتی اور ہمیشہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ کھلے عام کانگریس (اسلام) پارٹی بن جانا چاہتی ہے۔ کچھ ایسی ہی بات 9 اپریل کے اکانومک ٹائمز کے شمارے میں "پاور پلے" کے عنوان سے ایک تبصرے میں کہی گئی ہے کہ راؤ حربے میں اسلام نوازوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اپنی جمہوری ساکھ کی تشہیر کی سرگرمیاں زور و شور سے چلا رہی ہیں۔

دیگر حربوں کے ساتھ مسلمانوں کی خوشنودی کے لئے دو ہتھکنڈوں پر خاصی توجہ دی جانے والی ہے جن میں سے ایک ٹاڈا قانون کی منسوخی یا ناقابل شناخت حد تک اس میں ترمیم و تخفیف ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ٹاڈا ہی گجرات اور مہاراشٹر میں کانگریس کی شکست کا اصل سبب ہے۔ اس ضمن میں کانگریس نے خود اپنے ہی اعداد و شمار کو نظر انداز کردیا ہے یعنی یہ کہ جموں و کشمیر کے باہر ٹاڈا کے تحت زیر حراست لئے جانے والے 6600 افراد میں سے صرف 3416 مسلمان تھے۔ اس طرح کانگریس بی جے پی کے رام راجیہ کے مقابلے میں داؤد راجیہ اور لطیف راجیہ کی علمبرداری کرنے والی ہے۔ کانگریس بہر صورت بمبئی کے سلسلہ وار بم دھماکوں اور فرقہ وارانہ فسادات کا منصوبہ تیار کرنے والے مجرموں کو قرار واقعی سزا دینے کے بجائے انہیں زیادہ بھیانک تباہی کی طرف لے جانے والی سرنگ بچھانے کے لئے تیار کرنے پر کمربستہ ہے۔ سی بی آئی نے پہلے ہی اس اسلام نواز طریقہ کار کے نفاذ کی ابتداء کردی ہے اور بمبئی کے بم دھماکوں میں ملوث 168 افراد پر سے الزامات واپس لے لیے ہیں اور اس دلیل کو تسلیم کرلیا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف نہیں بلکہ ہندو یعنی اکثریتی فرقے کے خلاف صف آرا تھے اور یہ جیسا کہ سب جانتے ہیں کوئی قابل تعزیر جرم نہیں ہے کیونکہ کافروں کا صفایا کرنا تو ان کا اسلامی فریضہ ہے۔ اس کے ساتھ ایک عیارانہ منصوبہ جو بنایا جارہا ہے وہ بنگلہ دیشی دراندازوں کا باہیں پھیلا کر استقبال کرنا ہے۔ دریں اثناء ملک کے مختلف حصوں میں پہلے سے آباد زرخیز زمینوں کے مالک اور معقول حیثیتوں پر فائز تقریباً پونے دو کروڑ "مجاہدوں" کی قانونی حیثیت مستحکم کرنے کے لئے ملک کے قوانین میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں گی۔ یہی نہیں بلکہ پاکستان کے لوگوں کا بھی معزز مہمانوں کی طرح

> ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔ (ادارہ)

استقبال ہورہا ہے جو راؤ کے ہندوستان کو امن، استحکام اور خوشحالی کی سرزمین کے نام سے شہرت دیں اکانومکس ٹائمز کے کالم نگار کے نزدیک یہ لاینحل مسائل کے تئیں راؤ کی عقلیت پسندی ہے۔

یہ تو ابتدا ہے اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو قریب کرنے کے لئے گہرے غور و خوض کے بعد مزید جرآت مندانہ اقدامات کئے جانے ہیں۔ جن میں سادے دستخط شدہ چیکوں کی تقسیم بھی شامل ہے۔ شکست زدہ کانگریسیوں نے نادر شاہوں اور ابدالیوں کو سیاسی چارہ ڈالنے کی فکر میں اکثریت کی طرف دھیان دینا ہی چھوڑ دیا ہے۔

لیکن کانگریس کو یہ مغالطہ نہیں رہنا چاہئے کہ عوام کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ تبدیلی تو اتنے بڑے پیمانے پر آئی ہے کہ مسلم حمایت کے بغیر بی جے پی کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور نو آبادکاری کے کسی بھی منصوبے پر غور کرتے ہوئے کانگریس کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے۔ بال ٹھاکرے نے جس طرح رفیق زکریا اور دوسرے افراد کو دھتکارا ہے وہ آڈوانی کے اس دعوے کو جھٹلانے کے لئے کافی ہے کہ شیوسینا اور بی جے پی کو بہت سے مسلمانوں نے ووٹ دیا ہے۔ مسلمانوں نے اس خیال سے کانگریس آئی کو ووٹ نہیں دیا کہ اس طرح سے وہ بی جے پی اور شیوسینا کے ہی ہاتھ مضبوط کریں گے بعض مستثنیات سے قطع نظر ہندوؤں کے تمام تر ووٹ بی جے پی۔ شیوسینا کو ملے۔

اس طرح اپنے نام نہاد فرقہ پرست اور فاشسٹ ایجنڈے کے باوجود ہندوتو تحریک کو ملک کے خاصے بڑے حلقے میں مقبولیت حاصل ہے اور مہاراشٹر وگجرات جیسے اقتصادی مراکز میں جو طاقت اس نے حاصل کی ہے کانگریسیوں کو اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ ان حقائق سے چشم پوشی کرکے کانگریس خود اپنے ہی لئے تباہی کا سامان کررہی ہے۔

مارکسی لیڈر ہرکشن سنگھ سرجیت یہ وجہ بتانے سے قاصر ہیں کہ بی جے پی کو کامیابی کیوں ملی۔ سی پی آئی (ایم) کی چنڈی گڑھ کی میٹنگ کے دوران انہوں نے محض اس پر تشویش کا اظہار کیا۔

ظاہر ہے کہ پارٹی کی بقا کے لئے چالیس سال سے غیر قانونی طور پر ملک میں دراندازی کرنے والے تارکین وطن کے تئیں اس کا وطن دشمنانہ رویہ ہی سب سے بڑا خطرہ بن گیا۔ اس ضمن میں ہوتا یہ ہے کہ بند دروازوں کے اندر سیاست داں حضرات اس مسئلہ پر سنجیدگی کا اظہار تو کرتے ہیں اور کوئی عملی منصوبہ ترتیب دینے کے لئے وزارت داخلہ کی میٹنگیں بھی بلائی جاتی ہیں لیکن جب پاکستان اور بنگلہ دیشی دراندازوں کی نشاندہی کرکے انہیں واپس بھیجنے کی نوبت آتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ بے قصور مسلمان شہریوں کو مختلف بہانوں سے ہراساں کیا جارہا ہے اور بیورو کریسی اور میڈیا میں اونچی ذات کے فرقہ پرست ان کی حمایت میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

اب راؤ نے یہ چال چلی ہے کہ امن، خوشحالی اور استحکام کے اس ملک میں بنگلہ دیشیوں اور پاکستانیوں کو دعوت دے کر اپنے جمہوری ساکھ کی بحالی کی کوشش کر رہے ہیں۔ جمہوریت نوازوں کو تو اس سلسلے میں راؤ سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ اور ساری باتیں وہ جمہوریت کے نام پر گوارہ کرلیں گے۔ وفاقیت کے سلسلے میں انہوں نے کوئی دلچسپی لینا پہلے ہی چھوڑ دیا ہے اور یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ فارنرز ایکٹ مجریہ 1946 کے تحت صوبائی حکومتوں کو دیے گئے اختیارات واپس لے لیے جائیں۔

غیر ملکیوں کو گرفتار کرنے اور انہیں واپس بھیجنے کے سلسلے میں صوبوں کے اختیارات کی واپسی کا مطالبہ کرنے والوں میں اکانومک ٹائمز کے کالم نگار پرفل بدوائی پیش پیش ہیں اور اکانومک ٹائمز دراندازوں کی حمایت اور دفاع میں ٹائمز آف انڈیا کا کتنا ساتھ دیتا ہے یہ بھی قابل غور ہے جیسا کہ ہرکشن سنگھ سرجیت نے اس خوف کا اظہار کیا ہے کہ کانگریس بھگوا انقلاب کے آگے ٹک نہیں پائے گی اور انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر اگلے انتخابات میں بی جے پی کی حکومت والے صوبوں یعنی گجرات اور مہاراشٹر میں مسلمانوں نے کانگریس کو ووٹ دیا بھی تو وہاں جمہوریت نوازوں کی فتح کا امکان نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ سرجیت کا خیال ہے کہ انتخابات میں جیت اور ہار کا اندازہ رائے دہندگان اور حامیوں کی تعداد سے نہیں بلکہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ نظریاتی طور پر وہ کس سے اور کس حد تک متاثر ہیں۔

آپ کی الجھنیں

لیکن یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ اس سے محفوظ رکھے!

> اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ میرے شوہر اپنی کاروباری مصروفیات کے سلسلے میں کبھی کبھی گھر سے باہر رہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ گھر میں شوہر کا بھائی بھی رہتا ہے۔ اسی طرح ایک بار جب میرے شوہر باہر گئے ہوئے تھے تو میرے شوہر کے بھائی نے مجھ سے دل لبھانے والی باتیں کیں اور پھر شیطان کے بہکاوے میں آکر ہم دونوں اس کیفیت سے گزر گئے جس پر مجھے شدید ندامت ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ اس گناہ کی توبہ کس طرح کروں یہ خیال ہمہ وقت میرے ذہن پر دستک دیتا رہتا ہے کہ اس گناہ کے ارتکاب کے بعد میں اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہوں یا اس کے لئے رجعت کا جواز ہے۔ اور جو کچھ ہوا کیا میں اس کے بارے میں اپنے شوہر کو بتا دوں کیونکہ میں دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ عورت ہوں اپنے زیب و زینت کو شوہر کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔ اس پریشانی سے نکلنے کی سبیل بتائیں۔

جواب: اجنبی مردوں سے خلوت اسی بناء پر حرام قرار دی گئی ہے کہ اس میں عفت و پاکیزگی کی پامالی اور کبائر کے ارتکاب کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہتا مگر یہ کہ شیطان تیسرے فرد کی حیثیت سے موجود رہتا ہے۔ حضور صلعم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی شخص کا بھائی اس کی بیوی کے ساتھ خلوت میں رہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بیوی کے قریبی عزیزوں کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں تو جواباً فرمایا کہ بیوی کا سسرالی قریبی عزیز موت ہے۔ نبی صلعم نے بیوی کے سسرالی قریبی عزیز کو موت سے مشابہ اس لئے قرار دیا کہ وہ گھر کے اندر آتا جاتا ہے اور اگر منکرات کا بھی ارتکاب کرتا ہے تو عورت سے قرابت کی بناء پر لوگ اس کی نہ گرفت کرسکتے ہیں اور نہ اس پر شک وشبہ کرسکتے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ کے رسول صلعم کے ایک ایک لفظ میں کیسی حکمت پوشیدہ ہے۔ اسلام کسی شخص پر یہ پابندی عائد نہیں کرتا کہ وہ اپنے بھائی کے گھر میں اس کے ساتھ نہ رہے لیکن بھائی کی بیوی کے ساتھ اس شخص کی خلوت کا ضرور مخالف ہے اسی ڈر سے کہ وہی حادثہ نہ ہوجائے جس کا ذکر سائلہ نے کیا۔

زیر نظر سائلہ اور تمام قارئین کو غیر عورتوں کے ساتھ خلوت کے خطرات سے آگاہ ہونا چاہئے۔ پرہیزگاری وتقویٰ میں مشہور علماء سلف میں سے ایک عالم نے ایک موقع پر کہا تھا کہ اگر دنیا کے تمام خزانوں کا مجھے امین بنا دیا جائے تو میں پوری دیانت داری سے ان کی حفاظت کروں گا لیکن اگر کسی بدصورت عورت کا بھی مجھے امین بنا دیا جائے تو مجھے ڈر ہے کہ میں اس میں خیانت کر بیٹھوں۔ سائلہ کو معلوم ہو کہ توبہ کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور گناہوں سے توبہ کرلینے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ بے گناہ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "کہدو اے میرے وہ بندو جو اپنے نفس پر قابو نہ رکھ پائے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے وہ غفور الرحیم ہے"۔ لیکن صدق دل سے توبہ کرنے کے ساتھ انہیں ایک کام اور بھی کرنا چاہئے۔ وہ یہ کہ ایسے ممکن طریقے اختیار کریں جس سے کہ شوہر کے بھائی کے ساتھ خلوت کا اندیشہ جاتا رہے۔ وہ اپنے شوہر کو بتائیں کہ اس کے بھائی کے ساتھ ایسا انتظام ضرور کرجائے کہ اس طرح کی خلوت کا امکان نہ ہو مثلاً بیوی کی والدہ، والد یا اس کے بھائی کو بلالے۔ لیکن اگر یہ شبہ ہو کہ زنا سے استقرار حمل ہوگیا ہے تو یہ حمل حرام ہوگا اور ایک حیض تک شوہر کی قربت سے اجتناب کریں تاکہ اس پر ایسی اولاد کی ذمہ داری عائد نہ ہو جو اس کے نطفے سے نہیں ہے۔

علماء محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر کوئی عورت غیر مرد سے جنسی مباشرت کرلے تو اس کا شوہر ایک حیض تک اس سے خلوت نہ کرے تاکہ رحم کی برات ثابت ہوجائے۔ زنا سے طلاق تو نہیں پڑی لیکن یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ مناسب یہی ہے کہ سائلہ اپنے شوہر کو اس جرم کے بارے میں نہ بتائے بلکہ اس راز کو اپنے تک ہی رکھے۔

Invitation Price Rs. 4/-
1 - 15 JUNE 1995

The Milli Times International

(India's first International Urdu Weekly)

49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

چرار شریف کے حادثے پر اظہار
رنج و غم کے لئے اس بار صرف
سیاہ رنگ پر اکتفاء کیا گیا ہے